تدبّرِ قرآن

۳۵

فاطر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ا۔ سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ ——— سورۂ سبا ——— کی توام سورہ ہے اس وجہ سے دونوں کے عمود میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ اس کا بھی اصل مضمون توحید ہی ہے۔ اس کا آغاز خدا کی حمد کے اثبات اور فرشتوں کی الوہیت کے تصور کے ابطال سے ہوا ہے۔ پھر توحید ہی کے تحت رسالت و معاد سے متعلق وہ باتیں بیان ہوئی ہیں جو مقصد انذار کے پہلو سے ضروری اور سورہ کے مزاج اور اس کے زمانۂ نزول سے مناسبت رکھنے والی ہیں۔ پچھلی سورہ میں، یاد ہوگا، جنوں اور ملائکہ کی الوہیت کے تصور کا ابطال فرمایا ہے۔ اس سورہ میں ملائکہ کی الوہیت کے تصور کی تردید نسبۃً زیادہ واضح الفاظ میں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین عرب کے مزعومہ معبودوں میں سب سے زیادہ اہمیت فرشتوں ہی کو حاصل تھی۔

ب۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

(۱-۳) شکر کا حقیقی سزاوار اللہ ہے۔ وہی آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ اسی نے فرشتوں کو بھی وجود بخشا ہے اور ان کو، اپنی حکمت کے مطابق، جن صلاحیتوں اور قوتوں سے چاہا ہے بہرہ مند کیا ہے۔ ان کو بذاتِ خود کوئی اختیار و اقتدار حاصل نہیں ہے۔ تمام رزق و فضل خدا ہی کے اختیار میں ہے۔ وہ بخشنا چاہے تو کوئی اس کی بخشش کو روک نہیں سکتا اور روکنا چاہے تو کوئی اس سے دلوا نہیں سکتا۔ پس عبادت کا اصل حقدار وہی ہے۔ اس کے سوا دوسروں کی پوجا محض جہالت و حماقت ہے۔

(۴-۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی کہ اگر تمہاری قوم کے لوگ تمہاری تکذیب کر رہے ہیں تو اپنی پیشرو قوموں کے نقشِ قدم کی پیروی کر رہے ہیں اور وہ لازماً اسی انجام سے دوچار ہوں گے جس سے وہ دوچار ہوئیں۔ ان کے اعمال ان کی نگاہوں میں کھبا دیے گئے ہیں اور یہ اللہ کے قانون کی زد میں آچکے ہیں تو ان کے غم میں اپنے کو گھلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کا معاملہ اللہ کے حوالے کرو۔

قریش کو انذار کہ پیغمبرؐ جس چیز سے تم کو ڈرا رہا ہے وہ ایک امر شدنی ہے تو اپنی موجودہ دنیوی کامیابیوں سے کسی دھوکے میں نہ رہو اور شیطان کے پھندوں میں نہ پھنسو، وہ تمھارا کھلا ہوا دشمن ہے تو اپنے دشمن کو دشمن ہی سمجھو۔ بڑا ہی نادان ہے وہ جو اپنے دشمن کو دوست بنا بیٹھے۔

(۹-۱۰) حشر و نشر کی ایک واضح دلیل کی طرف اشارہ اور یہ تنبیہ کہ جو حشر کے دن خدا کے ہاں تقرب کا طالب ہو وہ جھوٹے سہاروں پر زندگی نہ گزارے۔ اس دن فرضی دیولیوں دیوتاؤں کے بل پر کسی کو تقرب حاصل نہیں ہوگا۔ خدا کے ہاں کام آنے والی چیز کلمۂ طیبہ ——— کلمۂ توحید ——— ہے اور اس کلمۂ طیبہ کو بلندی عمل صالح سے حاصل ہوتی ہے۔ جس کو آخرت کی عزت مطلوب ہو وہ ایمان و عمل صالح کی راہ اختیار کرے۔ اس سے ہٹ کر جو راہیں نکالی گئی ہیں وہ سب فریب نفس کی راہیں ہیں اور ان کا انجام ابدی تباہی ہے۔

(۱۱-۱۸) مال و اولاد اور رزق و فضل خدا کا عطیہ ہیں۔ عمر کی زیادتی و کمی خدا کے اختیار میں ہے۔ ان میں سے کسی چیز میں بھی کسی دوسرے کو کوئی دخل نہیں ہے۔ اس کائنات کے اضداد میں جو توافق ہے وہ اس بات کی کھلی ہوئی شہادت ہے کہ اس میں ایک ہی خدائے قادر و قیوم کا ارادہ کارفرما ہے۔ اس کے سوا جن کو معبود بنایا گیا ہے نہ ان کو کوئی اختیار حاصل ہے اور نہ وہ قیامت کے روز کسی کے کچھ کام آنے والے بنیں گے۔

لوگوں کو یہ تنبیہ کہ تمھیں اصل حقیقت سے آگاہ کر دیا گیا ہے۔ اگر تم نے اس کی قدر نہ کی تو اپنا ہی بگاڑو گے خدا کا کچھ نہیں بگاڑو گے۔ خدا تمھارا محتاج نہیں ہے بلکہ تمھی خدا کے محتاج ہو۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی کہ تمھاری دعوت انھی لوگوں پر اثرانداز ہو سکتی ہے جن کے اندر زندگی کی کچھ رمق ہے۔ جو بالکل مردہ ہیں ان کو ان کے حال پر چھوڑو۔ ان کے لیے جو انجام مقدر ہو چکا ہے وہ اسی سے دوچار ہوں گے۔

(۱۹-۲۸) ایمان لانے اور نہ لانے والوں کی تفصیل اور اس کائنات میں جو اختلاف و تضاد پایا جاتا ہے اس کی حکمت کی طرف اشارہ کہ جس طرح اس میں اللہ نے نور و ظلمت کو پیدا کیا ہے اور ان دونوں کی خلقت حکمت و مصلحت پر مبنی ہے اسی طرح ایمان و کفر کا یہ تصادم بھی خدا کی حکمت پر مبنی ہے۔ اس وجہ سے یہ توقع نہیں کرنی چاہیے کہ سب ایمان سے بہرہ مند ہو جائیں گے۔ ایمان صرف وہی لائیں گے جن کے اندر علم و معرفت کی روشنی اور اس کی قدر ہے۔

(۲۹-۳۸) ان علمائے اہل کتاب کی تحسین و حوصلہ افزائی جو تمام بگاڑ اور فساد کے باوجود اللہ کی کتاب پر قائم ہیں اور اس بات کی طرف اشارہ کہ جس طرح ان کو تورات پر قائم رہنے کی سعادت حاصل ہوئی اسی طرح قرآن پر بھی ایمان لانے کی ان کو سعادت حاصل ہوگی اس لیے کہ یہ انھی پیشین گوئیوں کا مصداق ہے جو اس کی بابت تورات اور دوسرے صحیفوں میں وارد ہوئی ہیں۔ تورات کے بعد اس قرآن کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے امیوں پر عظیم احسان فرمایا ہے کہ اس کے ذریعہ سے اس نے ان کو دنیا کی امامت بخشی ہے بشرطیکہ وہ اس کی قدر کریں۔ پھر فرمایا کہ اگرچہ ان میں ناقدرے اور ناشکرے بھی ہیں لیکن ساتھ ہی ان میں معقولیت پسند اور نیکی کی راہوں میں سبقت کرنے والے بھی ہیں۔ اس طرح کے لوگ اس پر ایمان لائیں گے رہے وہ لوگ جو اس نعمت کی ناقدری کریں گے تو وہ اس انجام سے دوچار ہوں گے جو اس طرح کے لوگوں کے لیے اللہ کے

ہاں متعذر ہے۔

(۳۹ - ۴۱) قریش کو تہدید و وعید کہ تم دنیا میں پہلی قوم نہیں ہو بلکہ پچھلی قوموں کے جانشین ہو اس وجہ سے خدا نے جس میزانِ عدل سے ان کو تولا کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس سے تم کو نہ تولے۔ خدا کے ہاں الگ الگ ترازو اور الگ الگ باٹ نہیں ہیں بلکہ سب کے لیے ایک ہی میزان ہے۔ تمھاری سرکشی کے باوجود خدا جو ڈھیل تمھیں دے رہا ہے اس کو اپنی کامیابی نہ سمجھو بلکہ یہ تمھارے خسارہ میں اضافہ ہے۔ خدا حلیم و غفور ہے اس وجہ سے تمھیں مہلت دے رہا ہے لیکن جب وہ پکڑے گا تو تمھارے یہ فرضی دیوی دیوتا تمھاری کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔ آسمان و زمین خدا کے تھامے تھمے ہوئے ہیں تمھارے ان دیوتاؤں نے ان کو نہیں تھام رکھا ہے۔

(۴۲ - ۴۵) قریش کو یہ یاددہانی کہ رسول کی بعثت سے پہلے تو تم اس ولولہ کا اظہار کرتے تھے کہ اگر تمھارے اندر کسی رسول کی بعثت ہوئی تو تم دنیا کی سب سے زیادہ ہدایت یافتہ قوم بنو گے لیکن جب رسول آیا تو رات دن اس کے خلاف سازشوں میں سرگرم ہوا اور خدا کے اسی قہر کو دعوت دے رہے ہو جو رسولوں کی تکذیب کرنے والوں پر ہمیشہ نازل ہوا۔ یاد رکھو کہ اگر خدا کسی قوم کو فوراً پکڑنا چاہے تو کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا لیکن اس نے ہر قوم کے فیصلہ کے لیے ایک خاص وقت مقرر کر رکھا ہے۔

مطالب کے اس تجزیہ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے بھی اس سورہ کا اندرونی نظام اور سابق سورہ سے اس کا تعلق بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ اب اللہ کا نام لے کر ہم سورہ کی تفسیر شروع کرتے ہیں۔ وبیدہ اللہ التوفیق وھو الھادی الی الصواب۔

سُوْرَةُ فَاطِرٍ (۳۵)

مَكِّيَّةٌ ——— اٰيَاتُهَا ۴۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا آیات
اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ يَزِيْدُ فِى الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ؕ ۱-۸
اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۱) مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ
فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ
الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (۲) يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ؕ هَلْ
مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ۖ
فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ (۳) وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ؕ
وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ (۴) يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ
الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٚ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ (۵) اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ
فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ
السَّعِيْرِ ؕ (۶) اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ؑ (۷) اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ ع ۱ ۱۲

عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ
يَّشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا
يَصْنَعُوْنَ ﴿۸﴾

ترجمۂ آیات ۱-۸

شکر کا سزاوار حقیقی اللہ ہے۔ آسمانوں اور زمین کا خالق، فرشتوں کو دو دو، تین تین اور چار چار پروں والے پیغام رساں بنانے والا۔ وہ خلق میں جو چاہے اضافہ کر دیتا ہے۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۱

اللہ لوگوں کے لیے جس رحمت کا فتح باب کرے تو اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جس کو روک لے تو اس کے بعد کوئی اس کو کھولنے والا نہیں اور وہی حقیقی عزیز و حکیم ہے۔ ۲

اے لوگو! تمھارے اوپر اللہ کا جو انعام ہے اس کا دھیان کرو۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق بہم پہنچاتا ہو! اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو تم کہاں اوندھے ہوئے جاتے ہو! ۳

اور اگر یہ تمھیں جھٹلاتے ہیں تو کچھ غم نہ کرو، تم سے پہلے بھی کتنے رسولوں کی تکذیب کی گئی ہے اور اللہ ہی کے سامنے سارے امور پیش کیے جائیں گے۔ ۴

اے لوگو! اللہ کا وعدہ شدنی ہے تو تم کو یہ دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ اللہ کے باب میں تم کو فریب کار شیطان فریب میں رکھے۔ بے شک شیطان تمھارا دشمن ہے تو تم اس کو دشمن ہی سمجھو۔ وہ تو اپنی پارٹی کو صرف جہنم کا ایندھن بنانے کے لیے بلاتا ہے۔ جنھوں نے کفر کیا ان کے لیے سخت عذاب ہے اور جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے ان کے لیے مغفرت اور بہت بڑا اجر ہے۔ ۵-۷

کیا وہ جس کی نگاہوں میں اس کا بُرا عمل کُھبا دیا گیا ہے، پس وہ اس کو اچھا خیال کرنے لگا ہے (ایمان لانے والا بن سکتا ہے!) پس اللہ ہی جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے تو ان کے غم میں تم اپنے کو ہلکان نہ کرو، اللہ باخبر ہے ان کاموں سے جو وہ کر رہے ہیں ۸۔

۱- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۭ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۱)

دین کی بنیاد توحید پر ہے اور توحید کی حقیقت اللہ ہی کی شکرگزاری ہے

یاد ہوگا، پچھلی سورہ کا آغاز بھی 'اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ' ہی سے ہوا ہے۔ اس سے دونوں سورتوں کے مزاج کی مناسبت واضح ہوتی ہے۔ دین کی بنیاد توحید پر ہے اور توحید کی حقیقت اللہ ہی کی شکرگزاری ہے اس لیے کہ آسمانوں اور زمین کو عدم سے وجود میں لانے والا اللہ ہی ہے اور بندوں کو جو ظاہری و باطنی نعمتیں بھی حاصل ہوئی ہیں سب اللہ ہی کا عطیہ ہیں۔

فرشتوں کی حیثیت قاصدوں کی ہے نہ کہ مقصود کی

'جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ'۔ 'جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ' بدل ہے 'فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ' سے۔ یہ عام کے بعد خاص کا ذکر اس کی اہمیت کے پہلو سے فرمایا کہ جو اللہ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے اسی نے فرشتوں کو بھی پیغام رسانی کے مقصد سے وجود بخشا ہے۔ فرشتوں کے خاص طور پر ذکر کی وجہ یہ ہے کہ عربوں کی میتھالوجی (MYTHOLOGY) میں سب سے زیادہ اہمیت فرشتوں ہی کو حاصل تھی۔ وہ ان کو خدا کی چہیتی بیٹیوں کا درجہ دیتے اور اسی حیثیت سے ان کی عبادت کرتے تھے۔ ان کا تصور یہ تھا کہ اگر یہ خوش رہیں تو ان کے واسطے سے سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔ اس عقیدے نے ان کے ہاں خدا کے وجود کو بالکل معطل کر دیا تھا۔ وہ خدا کو رسمی طور پر مانتے تو تھے لیکن ان کی تمام شکرگزاری اور عبادت کے مرکز ان کے وہ اصنام ہی تھے جو انھوں نے اپنے زعم کے مطابق فرشتوں کے نام پر بنا رکھے تھے۔ یہاں ان کے اسی زعم باطل کی تردید کے لیے ارشاد ہوا کہ شکر کا سزاوار اللہ ہے جو تمام آسمانوں اور زمین کو عدم سے وجود میں لانے والا ہے۔ اسی نے فرشتوں کو بھی پیغام بری کی ڈیوٹی پر مقرر فرمایا ہے یعنی یہ فرشتے نہ آسمان و زمین کی تخلیق میں کسی نوع سے شریک ہیں اور نہ الوہیت میں ان کا کوئی حصہ ہے بلکہ یہ صرف خدا کے پیغام رساں ہیں جن کے ذریعے سے خدا اپنے رسولوں کو اپنے احکام سے آگاہ کرتا ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ جن لوگوں نے ان قاصدوں کو مقصود کا اور نامہ بروں کو محبوب کا درجہ دے کر انہی کی پرستش شروع کر رکھی ہے انھوں نے نہ خدا کی قدر پہچانی، نہ ان قاصدوں کی اور نہ اپنی ہی۔

فرشتوں کے درمیان فرقِ مراتب

'اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ' صفت ہے 'رُسُلًا' کی۔ 'اَجْنِحَة' جمع ہے 'جَنَاح' کی۔ 'جناح' آدمیوں کے بازوؤں کے لیے بھی آتا ہے اور پرندوں کے پروں کے لیے بھی جن سے وہ اڑتے ہیں۔ یہاں یہ لفظ فرشتوں کے لیے استعمال ہوا ہے اس وجہ سے اس کی نوعیت متشابہات کی ہے یعنی ان کی اصل حقیقت کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ مقصود اس سے یہاں ہم کو صرف اس حقیقت کا علم دینا ہے کہ سب فرشتے ایک ہی درجے کے نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی مصلحتوں کے تحت مختلف درجے کی قوتوں اور صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ کسی کی قوتِ پرواز کم ہے کسی کی زیادہ۔ کچھ دو پروں کی قوت سے اڑتے ہیں، کچھ تین کی، کچھ چار کی۔

یہ پَر فرشتوں کے ہیں اس وجہ سے ان کی قوتِ پرواز کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور یہ چار تک کا ذکر بھی تحدید کے مفہوم میں نہیں ہے۔ مقصود یہاں صرف ان کے مراتب و منازل کے تفاوت کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ اس وجہ سے اگر اللہ تعالیٰ کے پاس ایسے فرشتے بھی ہوں جن کی قوتِ پرواز اس سے زیادہ ہو تو اس آیت سے اس کی نفی نہیں ہوتی۔ چنانچہ بعض حدیثوں میں حضرت جبریلؑ کے پروں کی تعداد اس سے زیادہ مذکور ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قوتِ پرواز اور رسائی تمام فرشتوں سے زیادہ ہے۔ مقصود یہاں صرف یہ واضح کرنا ہے کہ جن نادانوں نے فرشتوں کو الوہیت کے زمرے میں داخل کر رکھا ہے ان کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ بلند کا پتہ نہیں ہے۔ خدائی میں شریک ہونا تو درکنار اس کے قاصد اور سفیر ہونے میں بھی ان سب کا درجہ و مرتبہ ایک نہیں ہے بلکہ کسی کی رسائی کسی منزل تک ہے اور کسی کی پہنچ کسی مقام تک۔ اسی حقیقت کا اعتراف سورۂ صافات میں حضرت جبریل امینؑ کی زبان سے یوں منقول ہے۔

وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ۝ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ۝ (۱۶۴-۱۶۶)

اور ہم میں سے ہر ایک کے لیے بس ایک معین مقام ہے اور ہم ہر وقت صف بستہ رہنے والے ہیں اور ہم ہر وقت تسبیح کرتے رہنے والے ہیں۔

صفات اور صلاحیتوں میں کمی بیشی کرنا اللہ ہی کے اختیار میں ہے

'یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ' یعنی اللہ تعالیٰ جن صلاحیتوں اور قوتوں کی مخلوق چاہے پیدا کر سکتا ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس نے فرشتوں کو اگر اپنی پیغامبری کے لیے پیدا کیا تو یہ بھی اس کی قدرت و حکمت کا کرشمہ ہے۔ اگر ان کے درجات میں تفاوت رکھا تو یہ بھی اسی کی قدرت کی ایک شان ہے کہ اگر وہ اپنی خلق یا اس کی صلاحیتوں میں کوئی مزید اضافہ کرنا چاہے تو اس پر بھی وہ قادر ہے۔ صفات اور صلاحیتوں میں کمی بیشی کرنا اللہ کے اختیار میں ہے۔ اگر کسی کی صفات اور

تو اس میں اس نے افزونی عطا فرمائی ہے تو اس کے بھی معین حدود ہیں اس کی بنا پر نہ کسی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ خدا کی خدائی میں شریک ہونے کا مدعی بن جائے نہ یہ جائز ہے کہ دوسرے اس کو خدائی میں شریک بنا دیں۔

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (۲)

اس بات کی دلیل کہ کیوں اللہ ہی سزاوار شکر ہے

یہ دلیل بیان ہوئی ہے اس بات کی کہ کیوں خدا ہی شکر کا سزاوار ہے۔ فرمایا کہ اللہ تمھارے لیے جس فضل و رحمت کا بھی دروازہ کھولنا چاہے وہ اس کو کھول سکتا ہے، کوئی اس کے فضل و رحمت کو روک نہیں سکتا۔ اسی طرح اگر وہ کسی رحمت سے محروم کرنا چاہے تو کسی کی طاقت نہیں کہ وہ تمھیں اس سے بہرہ مند کر سکے۔ یہی مضمون سورۂ زمر میں یوں بیان ہوا ہے۔

قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ۭ (الزمر: ۳۸)	اللہ کے سوا جن معبودوں کو تم پکارتے ہو کبھی تم نے ان پر غور کیا ہے۔ اگر اللہ مجھے کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو کیا وہ اس کے دفع کرنے والے بن سکتے ہیں! یا اللہ مجھے کسی رحمت سے نوازنا چاہے تو کیا وہ اس کی رحمت کو روک سکتے ہیں!

مقصد یہ ہے کہ جب اصل حقیقت یہ ہے تو فرشتوں اور جنوں کو تم نافع و ضار سمجھ کر ان کی عبادت جو کرتے ہو یہ محض تمھاری حماقت ہے۔ نفع و ضرر تمام تر خدا ہی کے اختیار میں ہے اس وجہ سے شکر اور عبادت کا حق دار تنہا وہی ہے۔

آیت میں ایک ہی چیز (رحمت) کے لیے ضمیر پہلے مؤنث آئی، پھر اسی کے لیے مذکر آئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک جگہ لفظ کا لحاظ ہے دوسری جگہ مفہوم کا۔ اس کی متعدد نظیریں اس کتاب میں پیچھے گزر چکی ہیں۔

'مِنْۢ بَعْدِهٖ' یعنی 'مِنْۢ بَعْدِ اِمْسَاكِهٖ'۔ آگے اسی سورہ میں فرمایا ہے 'وَلَىِٕنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ' (۴۱) (اگر وہ دونوں (آسمان و زمین) اپنی جگہ سے ٹل جائیں تو خدا کے بعد کوئی ان کو تھامنے والا نہیں بن سکتا)۔

'وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ' یعنی اصل غالب و مقتدر وہی ہے۔ وہ کھولتا اور وہی روکتا ہے اور یہ کھولنا اور باندھنا تمام تر اس کی حکمت کے تقاضوں کے تحت ہوتا ہے اس لیے کہ وہ حکیم بھی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ڭ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ (۳)

اتمام حجت کے لیے ایک سوال

اوپر کی آیات میں جو مضمون اصولی طور پر بیان ہوا ہے اسی مضمون کو اتمام حجت کے انداز میں، لوگوں کو مخاطب کر کے، فرمایا کہ لوگو، اللہ کی جو نعمتیں تم کو حاصل ہیں ان میں سے ایک ایک کا دھیان کرو اور ان پر غور کرو۔ لفظ 'نعمت' یہاں جنس نعمت کے مفہوم میں ہے۔ غور کرنے کے لیے ان کے سامنے مسئلہ کو سوال کی صورت میں رکھا کہ یہ آسمان و زمین میں سے جو تمھیں روزی مل رہی ہے، آسمان سے پانی برستا ہے اور زمین سے تمھاری معاش و معیشت کی گوناگوں چیزیں پیدا ہوتی ہیں، کیا تم کہہ سکتے ہو کہ خدا کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تمھیں یہ چیزیں بخشتا ہے۔

سوال کا جواب

'لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ' ان کی طرف سے کسی جواب کا انتظار کیے بغیر خود اس کا جواب دیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ خود جواب دینے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس سوال کا صحیح جواب اس کے سوا کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا، دوسری یہ کہ مشرکین عرب، جو یہاں مخاطب ہیں، اس سوال کا یہی جواب، جیسا کہ قرآن کے دوسرے مقامات سے واضح ہے، دیتے بھی تھے۔ فرمایا کہ جب اصل حقیقت یہ ہے اور تم کو بھی اس سے انکار نہیں ہے تو پھر کہاں تمھاری عقل الٹ گئی ہے کہ دوسری چیزوں کو تم معبود بنائے بیٹھے ہو!

وَاِنْ یُّکَذِّبُوْکَ فَقَدْ کُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِکَ ۚ وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ (۴)

آنحضرت صلعم کو تسلی

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر ایسے سر پھرے لوگ تمھاری تکذیب کر رہے ہیں تو یہ کوئی تعجب یا غم کی بات نہیں ہے، تم سے پہلے جو رسول آئے اس طرح کے لوگوں نے ان کی بھی تکذیب کی۔ مطلب یہ ہے کہ اس میں تمھاری کسی تقصیر کو دخل نہیں ہے بلکہ تمام تر دخل اس میں ان مکذبین کی مخصوص ذہنیت کو ہے۔ ان کو ان کے حال پر چھوڑو۔ یہ اپنی پیش رو قوموں کی روش پر چل رہے ہیں تو اس روش کا جو انجام اُن کے سامنے آیا وہی ان کے سامنے بھی آئے گا۔

'وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ'۔ سارے امور خدا کی طرف لوٹتے ہیں اور اسی کی طرف لوٹیں گے۔ یعنی خدا اس معاملہ میں غیر جانبدار یا غیر متعلق نہیں ہے بلکہ ہر چیز اس کے سامنے آ رہی ہے اور آئے گی اور آخری فیصلہ اسی کا ہوگا تو اسی کے بھروسہ پر اپنے کام میں لگے رہو اور ان کے معاملے کو اللہ پر چھوڑو۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو مولیٰ و مرجع بنائے بیٹھے ہیں ایک دن اپنی اس طمع خام کا انجام خود دیکھ لیں گے۔

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ۟ وَلَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ (۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے بعد مخالفین کو دھمکی دی کہ تم کو پچھلی قوموں کے انجام سے جو ڈرایا جا رہا ہے اس کو ہوائی بات نہ سمجھو۔ اللہ کی یہ وعید شدنی ہے۔ اس وقت تمھیں دنیا کی زندگی کی

جو رفاہیت حاصل ہے وہ تمھیں دھوکے میں نہ رکھے۔ تم اپنی موجودہ رفاہیت کو اپنے رویّہ کی صحت کی دلیل گمان کرتے ہو اور پیغمبر کی وعید کا مذاق اڑاتے ہو کہ بھلا تم پر عذاب کیوں اور کدھر سے آ جائے گا لیکن جب اللہ کے وعدے کے ظہور کا وقت آئے گا تو تم دیکھ لوگے کہ جس چیز سے تمھیں ڈرایا جا رہا تھا وہ بالکل تمھارے سامنے ہی موجود تھی۔

سب سے بڑے فتنہ سے آگاہی

وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ، غرور کے معنی فریب کار کے ہیں اور یہاں اس سے مراد شیطان ہے اس لیے کہ سب سے بڑا فریب کار شیطان ہی ہے۔ فرمایا کہ خدا کے باب میں فریب کار شیطان تمھیں دھوکے میں نہ رکھے۔ خدا بڑا رحیم و کریم بھی ہے اور بڑا ہی منتقم و قہار بھی۔ تمھارے تمام طغیان و فساد کے باوجود اس نے تمھیں جو ڈھیل دے رکھی ہے تو اس سے اس غلط فہمی میں نہ رہو کہ تم اس کی گرفت سے باہر ہو یا تمھارے مزعومہ شرکا نے تم کو بچا رکھا ہے یا وہ تم کو اس کی پکڑ سے بچا لیں گے۔ اللہ کا نہ کوئی شریک ہے نہ کوئی اس کی پکڑ سے بچانے والا بن سکتا۔ شیطان نے تم کو اس فریب نفس میں اس لیے مبتلا کیا ہے کہ اس طرح وہ تم کو سیدھے جہنم میں لے جا رہا ہے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ خدا کی صفات کے باب میں گمراہی دراصل تمام گمراہیوں کی جڑ ہے اس وجہ سے شیطان یہیں سے انسان پر گھات لگاتا ہے۔ اسی خطرے سے آیت وَمَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ (الانفطار: ۶) میں آگاہ فرمایا گیا ہے۔

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا ۚ إِنَّمَا يَدْعُو حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ (۶)

یعنی شیطان تمھارا دشمن اور کھلا ہوا دشمن ہے تو اپنے دشمن کو دشمن ہی سمجھو اور اس کی چالوں سے بچ کے رہو۔ یہ کہاں کی دانشمندی ہے کہ وہ تو تمھارا دشمن ہے لیکن تم نے اس کو اپنا مرشد سمجھ کر اپنی باگ اس کے ہاتھ میں پکڑا دی ہے! اگر اپنی باگ اس کے ہاتھ میں پکڑا دی ہے تو اس کا انجام سن لو کہ اس کی تمام سرگرمیوں کا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ اس کی پارٹی میں شامل ہو جائیں وہ ان سب کو جہنم کے گھاٹ پر لے جا اتارے۔

الَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ (۷)

وعدۂ شدنی کی وضاحت

یہ اللہ تعالیٰ کے اس وعدۂ شدنی کی وضاحت ہے جس کا ذکر اوپر آیت ۵ میں آیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے باب میں کوئی اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ یہ دنیا نیکی اور بدی، خیر اور شر میں کسی امتیاز کے بغیر یوں ہی چلتی رہے گی جنھوں نے یہ گمان کر رکھا ہے ان کو شیطان نے خدا کی صفات کے باب میں سخت دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ ایک ایسا دن لازماً آنے والا ہے جس دن وہ لوگ عذاب شدید سے دوچار ہوں گے جنھوں نے کفر کیا ہوگا اور جن لوگوں نے ایمان و عمل صالح کی زندگی گزاری ہوگی وہ مغفرت اور اجر عظیم

کے حق دار ٹھہریں گے۔

اَفَمَنْ زُیِّنَ لَہٗ سُوْٓءُ عَمَلِہٖ فَرَاٰہُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰہَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَہْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۫ۖ فَلَا تَذْہَبْ نَفْسُکَ عَلَیْہِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ (۸)

جو لوگ خدا کے قانون کی زد میں آچکے ہوں ایمان نہیں لائیں گے

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے ہیں تو اس میں تمھارکی کسی تقصیر کو دخل نہیں ہے بلکہ یہ قانونِ الٰہی کی زد میں آئے ہوئے لوگ ہیں تو ان کے غم میں اپنے کو ہلکان نہ کرو۔ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ یہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ اس سے اچھی طرح باخبر ہے تو جب وہ باخبر ہے تو ان کے ساتھ وہی معاملہ کرے گا جس کے وہ مستحق ہوں گے۔

'اَفَمَنْ زُیِّنَ لَہٗ سُوْٓءُ عَمَلِہٖ فَرَاٰہُ حَسَنًا' کے بعد جواب بربنائے قرینہ محذوف ہے۔ اگر اس حذف کو کھول دیجیے تو پوری بات یوں ہوگی۔ کیا وہ جس کی نگاہوں میں اس کی بدعملی کھبا دی گئی ہے اور وہ اپنی بدی کو نیکی سمجھنے لگا ہے، تم اس کو ہدایت دینے والے بن سکتے ہو؟ مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگوں کا ہدایت پانا سنتِ الٰہی کے خلاف ہے تو ایسے لوگوں کی فکر میں اپنے کو گھلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کا معاملہ اللہ کے حوالے کرنا چاہیے۔ سورۂ زمر کی آیت ۱۹ میں یہی بات یوں ارشاد ہوئی ہے۔

اَفَمَنْ حَقَّ عَلَیْہِ کَلِمَۃُ الْعَذَابِ ؕ — کیا وہ جس پر عذاب کی بات پوری ہو چکی ہے! کیا تم
اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِی النَّارِ ۚ — اس کو بچانے والے بن سکو گے جو دوزخ میں پڑ چکا۔

اس ٹکڑے سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ کسی برائی کے ارتکاب کی ایک حالت تو وہ ہے کہ آدمی اس کا ارتکاب کرتا ہے لیکن اس کے اندر اس کے برائی ہونے کا احساس زندہ رہتا ہے، دوسری حالت یہ ہے کہ اس کی برائی اس کی نگاہوں میں اس طرح کھبا دی جاتی ہے کہ وہ اسی کو ہنر، اسی کو فیشن، اسی کو ترقی کا زینہ اور اسی کو تہذیب و تعلیم کا مقتضیٰ سمجھنے لگتا ہے۔ پہلی حالت میں یہ توقع رہتی ہے کہ اس کو اگر تذکیر و تنبیہ کی جائے تو وہ سنبھل جائے گا لیکن دوسری حالت دل کے مسخ اور عقل کے ماؤف ہو جانے کی علامت ہے جس کو قرآن نے 'ختمِ قلوب' یا 'رین' سے تعبیر فرمایا ہے۔ جو اس بیماری میں مبتلا ہوا، وہ خدا کے قانون کی زد میں آچکا، اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

'فَاِنَّ اللّٰہَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَہْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ' یہ اس سنتِ الٰہی کی طرف اشارہ ہے جو ہدایت و ضلالت کے باب میں اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہے اور جس کی وضاحت ہم جگہ جگہ کرتے آرہے ہیں۔ آگے اسی سورہ میں اس کی مزید وضاحت آرہی ہے۔

'فَلَا تَذْہَبْ نَفْسُکَ عَلَیْہِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ' مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے غم میں ہلکان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ انھوں نے خود عقلی و روحانی خودکشی کی ہے اگر یہ ایمان نہیں لا رہے ہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ تمھاری دعوت میں کوئی کسر ہے بلکہ ان کے دلوں پر

ٹھہر ہو چکی ہے تو ان کا غم کھانے کے بجائے ان کا معاملہ اللہ کے حوالے کرو۔ وہ ان کی ساری کارستانیاں دیکھ رہا ہے، ان کے ساتھ وہی معاملہ کرے گا جس کے یہ سزاوار ہوں گے۔

'حَسَرٰتٍ' حال بھی ہو سکتا ہے اور مفعول لہ بھی۔ کلام عرب میں دونوں کی نظیریں ملتی ہیں۔ اور 'عَلَیْہِمْ' کا تعلق میرے نزدیک 'حَسَرٰتٍ' سے ہے جس طرح 'یٰحَسْرَۃً عَلَی الْعِبَادِ' میں ہے۔ اس کا جمع کی صورت میں آنا فرط غم کے اظہار کے لیے ہے۔

۲۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۹-۱۸

آگے اس وعدہ نصرت کی، جس کا ذکر اوپر آیت ۵ میں ہوا ہے، بطور تمہید پہلے دلیل بیان فرمائی ہے، پھر بتایا ہے کہ جس کو خدا کا تقرب اور اس کی بارگاہ میں سرخ روئی مطلوب ہو وہ جھوٹے معبودوں کو تقرب کا ذریعہ بنانے کے بجائے اس کا صحیح طریقہ اختیار کرے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ آدمی ایمان اور عمل صالح کی راہ پر چلے۔ ایمان خدا کی طرف صعود کرنے والی چیز ہے اور عمل صالح اس کو سہارا دیتا اور رفعت بخشتا ہے۔ اس کے سوا خدا کے تقرب کی کوئی اور راہ نہیں ہے۔ جن لوگوں نے یہ راہ چھوڑ کر دوسری راہیں نکالی ہیں اور اصل راہ سے لوگوں کو ہٹانے کے لیے رات دن طرح طرح کی سازشوں میں سرگرم ہیں ان کی ساری سازشوں کے تار و پود ایک دن بکھر جائیں گے۔

پھر یہ واضح فرمایا کہ مال و اولاد میں بڑھوتری، عمر میں کمی بیشی اور اس طرح کی تمام باتیں اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہیں، فرشتوں یا جنوں یا دوسرے فرضی معبودوں کو ان میں کوئی دخل نہیں ہے۔ اس کائنات کے اضداد میں جو توافق ہے وہ اس بات کی نہایت واضح دلیل ہے کہ اس کے اندر صرف ایک ہی خدائے قادر و قیوم کا ارادہ کارفرما ہے۔ اس کے سوا کسی کو ذرہ برابر بھی کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔

اس کے بعد لوگوں کو متنبہ فرمایا کہ یہ دعوت جو تمھیں دی جا رہی ہے تمھارے ہی نفع کے لیے دی جا رہی ہے۔ خدا کو تمھاری کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ تمھی خدا کے محتاج ہو۔ یہ دعوت قبول کرو گے تو اپنی دنیا و عاقبت سنوارو گے اور اگر نہ کرو گے تو اپنے ہی کو تباہ کرو گے۔ ساتھ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ کس مزاج کے لوگ اس دعوت کو قبول کریں گے اور کس طرح کے لوگ اس سے محروم رہیں گے ــــ آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۹-۱۸
وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝۹ مَنْ كَانَ

يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا ۚ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ
وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ۚ وَالَّذِينَ يَمْكُرُونَ السَّيِّئَاتِ لَهُمْ عَذَابٌ
شَدِيدٌ ۖ وَمَكْرُ أُولٰئِكَ هُوَ يَبُورُ ﴿١٠﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ
مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَزْوَاجًا ۚ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا تَضَعُ
إِلَّا بِعِلْمِهِ ۚ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُعَمَّرٍ وَلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهِ إِلَّا فِي كِتَابٍ ۚ
إِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرٌ ﴿١١﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ
سَائِغٌ شَرَابُهُ وَهٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ۖ وَمِنْ كُلٍّ تَأْكُلُونَ لَحْمًا طَرِيًّا
وَتَسْتَخْرِجُونَ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا ۖ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوا
مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٢﴾ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ
النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُسَمًّى ۚ
ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۚ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ
مِنْ قِطْمِيرٍ ﴿١٣﴾ إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا
اسْتَجَابُوا لَكُمْ ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ ۚ وَلَا يُنَبِّئُكَ
مِثْلُ خَبِيرٍ ﴿١٤﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ هُوَ ع
الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿١٥﴾ إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿١٦﴾
وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ ﴿١٧﴾ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ وَ
إِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَلَوْ كَانَ
ذَا قُرْبَىٰ ۗ إِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَأَقَامُوا

الصَّلٰوةَ ۭ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ⑱

ترجمۂ آیات ۹-۱۸

اور اللہ ہی ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو پس وہ ابھارتی ہیں بادلوں کو پھر ہم ان کو ہانکتے ہیں کسی خشک زمین کی طرف پس ہم اس سے اس زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد از سرِ نو زندگی بخش دیتے ہیں۔ اسی طرح لوگوں کا از سرِ نو زندہ ہو کر اٹھنا ہے۔ ۹

جو عزّت کا طالب ہو تو یاد رکھے کہ عزت تمام تر اللہ ہی کے لیے ہے۔ اس کی طرف صعود کرتا ہے پاکیزہ کلمہ اور عملِ صالح اس کلمہ کو سہارا دیتا ہے۔ اور جو لوگ بری چالیں چل رہے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اور ان کی چال نابود ہو کے رہے گی۔ ۱۰

اور اللہ نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا، پھر پانی کی بوند سے اور پھر تم کو جوڑے جوڑے بنایا۔ اور کوئی عورت نہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ جنتی ہے مگر اس کے علم سے۔ کسی عمر والے کی عمر میں نہ زیادتی ہوتی نہ کمی مگر یہ ایک کتاب میں نوشتہ ہے۔ یہ سب اللہ کے لیے آسان ہے۔ ۱۱

اور دونوں دریا یکساں نہیں ہیں۔ ایک شیریں، پیاس بجھانے والا، پینے کے لیے خوش گوار ہے اور ایک کھاری کڑوا ہے۔ اور تم دونوں سے تازہ گوشت کھاتے اور زینت کی چیز نکالتے ہو جس کو پہنتے ہو۔ اور تم دیکھتے ہو کشتیوں کو اس میں پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں تاکہ تم اس کے فضل کے طالب بنو اور تاکہ تم شکر گزار بنو۔ وہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے۔ ہر ایک گردش کرتا ہے ایک معین وقت کے لیے۔ وہی اللہ تمھارا رب ہے، اسی کی بادشاہی ہے۔ رہے وہ جن کو اس کے سوا تم پکارتے ہو تو وہ ذرہ برابر کسی چیز پر کوئی اختیار نہیں رکھتے۔

اگر تم ان کو پکارو گے تو وہ تمھاری فریاد نہیں سنیں گے اور اگر سنیں گے بھی تو تمھاری فریاد رسی نہیں کریں گے اور قیامت کے دن تمھارے شرک کا انکار کریں گے۔ اور ایک باخبر کی طرح کوئی دوسرا تمھیں آگاہ نہیں کر سکتا! ۱۲-۱۴

اے لوگو! تمھی اللہ کے محتاج ہو، اللہ تو بے نیاز و ستودہ صفات ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمھیں فنا کر دے اور ایک نئی مخلوق لا کھڑی کرے اور یہ اللہ کے لیے ذرا مشکل نہیں۔ ۱۵-۱۷

اور کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ اٹھانے والی نہیں بنے گی اور اگر کوئی بوجھل جان اپنے بوجھ کے اٹھانے میں کسی سے طالب مدد ہوگی تو اس میں ذرا بھی اس کا ہاتھ نہیں بٹایا جائے گا اگرچہ وہ قرابت مند ہی کیوں نہ ہو۔ تم تو بس انہی لوگوں کو ڈرا سکتے ہو جو غیب میں رہتے اپنے رب سے ڈرتے اور نماز کا اہتمام کرتے ہیں۔ اور جو پاکی حاصل کرتا ہے وہ اپنے لیے حاصل کرتا ہے اور اللہ ہی کی طرف سب کی واپسی ہے۔ ۱۸

۲- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَاللّٰهُ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحْیَیْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ (۹)

یہ دنیا اپنے وجود میں ایک تعلیم گاہ ہے

اوپر آیت ۵ میں جس وعدۂ حق کی یاد دہانی فرمائی ہے کائنات کے مشاہدات سے یہ اس کی دلیل پیش کی ہے کہ اس کو مستبعد نہ سمجھو۔ مرنے کے بعد لوگوں کو قبروں سے اٹھا کھڑا کرنا اللہ کے لیے ذرا بھی مشکل نہیں ہے۔ تم اس دنیا میں برابر دیکھتے ہو کہ زمین بالکل خشک پڑی ہوتی ہے، اس میں سبزہ اور روئیدگی کا کہیں نام و نشان بھی نہیں ہوتا کہ اللہ کسی طرف سے ہواؤں کو بھیجتا ہے۔ وہ تمھارے دیکھتے دیکھتے بادلوں کو ابھارتی اور جمع کرتی ہیں۔ پھر ہم ان کو اس مردہ زمین کی طرف ہانک کے لے جاتے اور اس کو سیراب کر دیتے ہیں جس سے اس کے ہر گوشے میں از سرِ نو زندگی نمودار ہو جاتی ہے۔ فرمایا کہ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ اسی طرح قیامت کے دن لوگوں کا از سرِ نو جی کر اٹھنا ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ مرنے اور مرنے کے بعد زندہ ہونے کا

مشاہدہ تو تم کو اس دنیا میں اللہ برابر کرا رہا ہے تو تم قیامت کو ناممکن کیوں خیال کیے بیٹھے ہو! ـــــ یہ حقیقت اس کتاب میں جگہ جگہ ہم واضح کرتے آ رہے ہیں کہ یہ دنیا اپنے وجود میں ان تمام حقائق کی تعلیم کے لیے ایک بہترین تعلیم گاہ ہے جن کی قرآن تعلیم دے رہا ہے۔ اگر انسان عقل و بصیرت سے کام لے تو قرآن کے ہر دعوے کی دلیل اس کو اپنے دہنے بائیں سے مل سکتی ہے۔

عربیت کا ایک اسلوب

اس آیت میں اسلوب کلام بھی قابلِ توجہ ہے۔ پہلے ماضی کا صیغہ اَرْسَلَ استعمال ہوا ہے۔ پھر مضارع تُثِیْرُ آ گیا۔ اس کے بعد سُقْنَا اور اَحْیَیْنَا متکلم کے صیغے آ گئے۔ اسلوب کا یہ تنوع اپنے اندر گوناگوں خوبیاں رکھتا ہے جن کی تفصیل کا یہ محل نہیں ہے۔ یہاں صرف اتنی بات یاد رکھیے کہ ماضی تو صرف بیانِ واقعہ کے لیے آتا ہے۔ مضارع میں تصویرِ حال کا پہلو بھی ہوتا ہے اور متکلم کا صیغہ التفات و عنایاتِ خاص پر دلیل ہوتا ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۭ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ۭ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَمَكْرُ اُولٰۗىِٕكَ هُوَ يَبُوْرُ (۱۰)

خدا کے تقرب کا واحد ذریعہ ایمان اور عمل صالح ہے

مطلب یہ ہے کہ قیامت تو بہرحال شدنی ہے اور ہر ایک کو اللہ کے حضور میں پیش ہونا ہے۔ رہا یہ سوال کہ خدا کے ہاں کن کو عزت و سرخروئی حاصل ہوگی اور کن کو ذلت و نامرادی سے دوچار ہونا پڑے گا تو جن کو اس سوال کا صحیح جواب مطلوب ہے وہ یاد رکھیں کہ عزت تمام تر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اس وجہ سے جس کو بھی یہ حاصل ہوگی اسی کے تعلق اور اسی کی عزت بخشی سے حاصل ہوگی۔

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ، یہ اس عزت کے حاصل کرنے کا طریقہ ارشاد ہوا کہ بندوں کی طرف سے اللہ کی طرف صعود کرنے والی چیز کلمۂ طیب، یعنی کلمۂ ایمان، ہے۔ اس کے سوا دوسری کوئی چیز نہیں جو خدا سے توسل اور قربت کا ذریعہ بن سکے۔ اس کلمۂ ایمان کو جو چیز سہارا دیتی اور رفعت بخشتی ہے وہ عمل صالح ہے۔ عمل صالح کے بغیر کلمۂ ایمان مرجھا کے رہ جاتا ہے۔ گویا کلمۂ ایمان کی مثال انگور کی بیل کی ہوئی جو ہے تو بجائے خود نہایت ثمر بار لیکن اس کی شادابی و ثمر باری کا تمام تر انحصار اس امر پر ہے کہ اس کو کوئی سہارا ملے جس پر وہ چڑھے، پھیلے اور پھولے پھلے۔ یہ سہارا اس کو عملِ صالح سے حاصل ہوتا ہے۔ عملِ صالح ہی اس کو پروان چڑھاتا اور مثمر و بار آور بناتا ہے۔ ورنہ جس طرح انگور کی بیل سہارے کے بغیر سکڑ کے رہ جاتی ہے اسی طرح ایمان بھی عمل صالح کے بدون مرجھا کے رہ جاتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے اَلْكَلِمُ الطَّيِّبُ، سے کلمۂ ایمان ہی مراد لیا ہے اور یہاں اس کے پہلو بہ پہلو عمل صالح کا ذکر خود اس بات کی شہادت ہے کہ اس سے کلمۂ ایمان ہی مراد ہے۔ لفظ طَیِّب اس کلمہ کی زرخیزی و ثمر باری کی طرف اشارہ کر رہا ہے اس لیے کہ فلسفۂ دین کے نقطۂ نظر سے یہی کلمہ تمام علم و حکمت

بی جڑ ہے۔ جس نے اس کو پا لیا اس نے تمام علم و حکمت کے خزانے کی کلید پا لی اور یہ حقیقت بھی مسلم ہے کہ ایمان اور عمل صالح دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ جس طرح ایمان کے بغیر عمل کی کوئی بنیاد نہیں اسی طرح عمل کے بغیر ایمان ایک بے جان شے ہے۔ اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے لیے سورۂ ابراہیم کی آیات ۲۴-۲۶ کے تحت ہم جو کچھ لکھ آئے ہیں ایک نظر اس پر ڈال لیجیے۔

یہ بات یہاں مشرکین پر یہ حقیقت واضح کرنے کے لیے فرمائی گئی ہے کہ تم اپنے معبود ملائکہ کو خدا کے ہاں عزت و سرفرازی کا واسطہ سمجھے بیٹھے ہو حالانکہ عزت صرف اللہ کے لیے ہے اور اللہ کا قرب حاصل کرنے کا واحد ذریعہ وہ ایمان ہے جس کے ساتھ عمل صالح کی تائید موجود ہو۔ قرآن میں مشرکین کی نسبت یہ بات جگہ جگہ نقل ہوئی ہے کہ وہ اپنے معبودوں کو خدا کے ہاں عزت و سرخروئی کا ذریعہ خیال کرتے تھے مثلاً

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (الزمر: ۳)	ہم ان کو صرف اس لیے پوجتے ہیں کہ وہ ہم کو خدا سے قریب تر کر دیں۔

دوسری جگہ ہے۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا (مریم: ۸۱)	اور انھوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود بنا رکھے ہیں تاکہ وہ ان کے لیے عزت کا ذریعہ بن سکیں۔

ان کے اسی واہمہ پر یہاں ضرب لگائی ہے کہ اس جنت الحمقاء سے نکلو اور خدا کے ہاں عزت کے طالب ہو تو اس کے لیے ایمان و عمل صالح کی راہ اختیار کرو۔

'وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ' یعنی جو لوگ اس حقیقت کا مواجہہ کرنے کے بجائے اپنے پندار کے تحفظ اور اللہ کے دین اور اس کے رسول کو زک پہنچانے کے لیے طرح طرح کی بری چالیں چل رہے ہیں وہ یاد رکھیں کہ اس طرح ان کو عزت نہیں حاصل ہو گی بلکہ وہ اپنے لیے ایک سخت عذاب کا سامان کر رہے ہیں۔

اس ٹکڑے میں 'سَيِّاٰتِ' کا نصب کچھ بیگانہ سا محسوس ہوتا ہے اس لیے کہ فعل 'مکر' اس طرح متعدی نہیں ہوتا۔ صاحب کشاف نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ 'سَيِّاٰت' یہاں مصدر کی صفت ہے۔ یعنی 'یمکرون المکرات السیأت' یہ توجیہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ آگے آیت ۴۳ میں اس کی نظیر موجود ہے۔

'وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ' یعنی جو لوگ اس فریب نفس میں خود بھی مبتلا اور دوسروں کو بھی مبتلا رکھنے کے لیے رات دن جوڑ توڑ میں سرگرم ہیں وہ یاد رکھیں کہ ایک دن ان کی یہ ساری سازشیں اور سرگرمیاں نابود ہو جائیں گی۔ یہاں مبتدا کے اعادے سے کلام میں یہ زور پیدا ہو گیا ہے کہ ان لوگوں کی ان ساری سازشوں سے کسی دوسرے کا کچھ نہیں بگڑے گا بلکہ تباہی ان کی سازشوں ہی پر آئے گی اور وہ انھی کی خرابی کا باعث ہوں گی۔ آگے اس مضمون کو کھول دیا ہے۔ فرمایا ہے 'وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا

بِاَھْلِہٖ (اور بُری چالیں انہی کو تباہ کرتی ہیں جو بری چالیں چلتے ہیں) اس لیے کہ حق ایک متاعِ مشترک اور سب کی فلاح کا ذریعہ ہے۔ اگر کوئی اس کی مخالفت کرتا ہے تو خود اپنی ہی آنکھیں پھوڑتا اور اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی مارتا ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ۭ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا
بِعِلْمِهٖ ۭ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ (۱۱)

مشرکین کے ایک واہمہ کی تردید

یعنی اولاد اور عمر میں جو کمی بیشی بھی ہوتی ہے وہ اللہ کے علم اور اسی کے حکم سے ہوتی ہے۔ ان چیزوں میں بھی تمہارے ان دیویوں دیوتاؤں کو کوئی دخل نہیں ہے۔ اس وجہ سے ان کے لیے بھی تمھیں خدا ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اس کے سوا کسی دوسرے کا سہارا نہیں ڈھونڈنا چاہیے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ مال و اولاد اور صحت و زندگی اور اس قبیل کی دوسری مطلوبات ہمیشہ شرک کے عوامل میں سے رہی ہیں۔ جن کے ہاں اولاد نہیں ہوتی۔ یا ہوتی ہے لیکن زندہ نہیں رہتی یا صرف لڑکیاں ہی لڑکیاں پیدا ہوتی ہیں، اولاد نرینہ نہیں پیدا ہوتی، اس طرح کے لوگ اگر وہمی ہوتے ہیں تو شیطان بڑی آسانی سے ان کا رُخ تھانوں، استھانوں، قبروں اور مزاروں کی طرف موڑ دیتا ہے۔ مشرکینِ عرب کے شرک میں بھی اس عامل کو بڑا دخل رہا ہے۔ وہ اپنے معبودوں کو آسمان و زمین کا خالق تو نہیں سمجھتے تھے لیکن رزق اور مال و اولاد وغیرہ کے معاملات میں ان کو —— خاص طور پر فرشتوں کو —— بہت دخیل سمجھتے تھے۔ اسی طرح بیماری اور موت وغیرہ کے معاملے میں وہ جنوں کو متصرف خیال کر کے ان کی پوجا کرتے۔ ہم سورۂ انعام کی تفسیر میں ذکر کر آئے ہیں کہ بعض جنوں کو وہ اتنا خطرناک سمجھتے تھے کہ ان کے لیے اپنی اولاد تک کی قربانی کرتے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر کسی بیٹے یا بیٹی کی قربانی دے کر ان کو راضی نہ رکھا جائے تو یہ ساری اولاد چٹ کر جاتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ کسی بیماری میں مبتلا ہوتے وہ بھی ان دیویوں دیوتاؤں کی طرف رجوع کرتے اور ان سے صحت اور طولِ عمر کی دعا کرتے۔ اس آیت میں انہی اوہام پر ضرب لگائی ہے۔

ایک مسلّم حقیقت کی یاددہانی

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ۔ یہ ٹکڑا آگے کے مضمون کے لیے بطور تمہید ہے۔ اس میں اس مسلّم حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ یہ اللہ ہی ہے جس نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے ان کی نسل چلائی پھر تم کو جوڑے جوڑے بنایا۔ مطلب یہ ہے کہ سارا گھر بنایا اور بسایا تو خدا نے اور یہ ایسی حقیقت ہے جس سے تمھیں بھی انکار نہیں ہے تو اس گھر کو بسا کر آخر خدا کو کیا مشکل پیش آئی کہ وہ اس کے رزق، اولاد اور عمر وغیرہ کے معاملات دوسروں کے سپرد کرنے پر مجبور ہو گیا؟ کیا جو تمھیں مٹی سے بنا سکتا ہے، پانی کی ایک بوند سے تمہاری نسل چلا سکتا ہے، تمھیں میاں بیوی کی صورت میں آباد کر سکتا ہے، وہ تمہارے رزق، تمہاری اولاد اور تمہاری عمر کے معاملات کو سرانجام دینے سے قاصر ہے کہ ان کے لیے تمھیں دوسرے آستانوں کا محتاج بنائے!

ایک غلط فہمی کا ازالہ

'وَمَا تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰی وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلۡمِهٖ'۔ یہ اوپر والی تمہید کے لازمی نتیجہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ جس نے آدم علیہ السلام کا یہ کنبہ بسایا ہے وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ کون عورت کب حاملہ ہوئی اور اس کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ وہ کب اس کو جنے گی اور کس شکل میں جنے گی!

——— یہاں علم کا حوالہ خاص طور پر اس وجہ سے دیا کہ مشرکین عرب خدا کے خالق ہونے کے منکر نہیں تھے، ان کو وہم تھا تو یہ تھا کہ اتنی وسیع و عریض دنیا کے ہر معاملے کی خبر خدا کو کس طرح ہو سکتی ہے اس وجہ سے بہت سے معاملات، جو رزق و عمر اور اولاد وغیرہ سے متعلق ہیں، اس نے اپنے شرکاء کے حوالے کر دیے ہیں۔ قرآن نے 'اِلَّا بِعِلۡمِهٖ' کے لفظ سے ان کے اسی واہمہ پر ضرب لگائی ہے کہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی اس دنیا میں ایسا نہیں ہوتا جو اس کے خالق کے دائرۂ علم سے باہر ہو۔

'وَمَا یُعَمَّرُ مِنۡ مُّعَمَّرٍ وَّلَا یُنۡقَصُ مِنۡ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ' لفظ 'مُعَمَّرٌ' یہاں طویل العمر کے مفہوم میں نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جس کو کوئی عمر ملتی ہے خواہ طویل یا قصیر، صاحب کشاف نے اس کا یہی مفہوم لیا ہے اور ہمارے نزدیک یہ صحیح ہے۔

یہ اوپر والے مضمون ہی کی مزید وضاحت ہے کہ جس کو بھی کوئی عمر نصیب ہوتی ہے اور پھر اس عمر میں سے جو گھنٹے اور دن کم ہوتے ہیں وہ خدا کے حکم اور علم سے ہوتے ہیں۔ 'اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ' یہ اوپر کے الفاظ 'اِلَّا بِعِلۡمِهٖ' کی جگہ پر ہے اور اس سے اوپر والا مضمون مزید محکم و موثق ہو گیا ہے۔ یعنی صرف یہی نہیں کہ خدا ان ساری باتوں کو جانتا ہے بلکہ ان میں سے ہر چیز ایک عظیم کتاب میں مندرج ہے۔ اس وہم میں نہ رہو کہ خدا کسی چیز کو بھول جائے گا۔

'اِنَّ ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیۡرٌ'۔ یہ اسی شبہ کا ازالہ ہے جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے کہ اہل عرب اس وہم میں مبتلا تھے کہ بھلا خدا تن تنہا ان تمام جزئیات امور کا احاطہ کس طرح کر سکتا ہے! اس وہم کے تحت انھوں نے خدا کی مدد کے لیے شرکاء و اعوان ایجاد کیے اور پھر ان کی عبادت میں اس طرح لگے کہ خدا ان کے ہاں ایک وجودِ معطل ہو کے رہ گیا ——— یہ ان کے اسی واہمہ کی تردید ہے کہ خدا کے لیے ان کاموں میں سے کوئی کام بھی مشکل نہیں ہے کہ وہ کسی شریک و مددگار کا محتاج ہو۔

کائنات کے اضداد کا توافق توحید کی دلیل ہے

وَمَا یَسۡتَوِی الۡبَحۡرٰنِ ۖ هٰذَا عَذۡبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلۡحٌ اُجَاجٌ ؕ وَمِنۡ كُلٍّ تَاۡكُلُوۡنَ لَحۡمًا طَرِیًّا وَّتَسۡتَخۡرِجُوۡنَ حِلۡیَةً تَلۡبَسُوۡنَهَا ۚ وَتَرَی الۡفُلۡكَ فِیۡهِ مَوَاخِرَ لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَلَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ۝ یُوۡلِجُ الَّیۡلَ فِی النَّهَارِ وَیُوۡلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیۡلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ ۖ ؗ كُلٌّ یَّجۡرِیۡ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمۡ لَهُ الۡمُلۡكُ ؕ وَالَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ مَا یَمۡلِكُوۡنَ مِنۡ قِطۡمِیۡرٍ (۱۲-۱۳)

یہ ایک دوسرے پہلو سے شرک اور شرکاء کی تردید فرمائی گئی۔ اس کائنات میں اضداد کا جو تصادم ہے یہ بھی شرک کے نہایت اہم عوامل میں سے ہے۔ قرآن نے مختلف پہلوؤں سے اس کی تردید فرمائی ہے اور ہم

اس کی وضاحت کرتے آ رہے ہیں۔ یہاں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں اضداد کا وجود اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کے اندر مختلف ارادے کارفرما ہیں اس لیے کہ اس کے اضداد میں ظاہری تضاد کے ساتھ ساتھ نہایت گہری سازگاری بھی پائی جاتی ہے جس سے اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ کوئی بالاتر اور ہمہ گیر و ہمہ جہت قوتِ قاہرہ ان تمام اضداد پر حاوی ہے جو ان کو اپنی حکمت کے تحت اس کائنات کی مجموعی بہبود کے لیے استعمال کر رہی ہے۔

'وَمَا يَسْتَوِى الْبَحْرٰنِ ۔ الآیۃ' یعنی دیکھو، دو سمندر ہیں اور دونوں اپنی ظاہری خصوصیات و صفات میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ ایک کا پانی شیریں، پیاس بجھانے والا اور خوشگوار ہے، دوسرے کا کھاری، کڑوا۔ یہ دونوں آپس میں ٹکراتے ہیں لیکن یہ نہیں ہوتا کہ کھاری سمندر، میٹھے سمندر پر غالب ہو کر اس کو کھاری بنا دے یا شیریں سمندر کھاری کے مزاج کو بدل دے بلکہ ایک بالاتر قوت نے ان دونوں کو ٹکرانے کے باوجود ان کے حدود کا پابند کر رکھا ہے۔ سورۂ رحمان میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ، بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ (الرحمان: ۱۹-۲۰) (اس نے چھوڑے دو دریا، دونوں باہم دگر ٹکراتے ہیں لیکن ان دونوں کے درمیان ایک اوٹ ہوتی ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے)۔

پھر یہ دیکھو کہ کس طرح یہ اپنے تضاد و اختلاف کے باوجود اپنے سے بالاتر مقصد کی خدمت بجا لاتے ہیں کہ تم دونوں ہی سے اپنے لمبے لمبے بحری سفروں میں جہاں تازہ گوشت حاصل کرنا ناممکن ہوتا، ان سے تازہ گوشت حاصل کر لیتے ہو اور غذا کے ساتھ اپنی زینت کے لیے ان سے قیمتی موتی بھی نکالتے ہو۔ پھر تم دیکھتے ہو کہ یہ تمہارے لیے اس طرح مسخر ہیں کہ تمہارے جہازات ان کے سینے پر سے موجوں کو پھاڑتے ہوئے چلتے ہیں تاکہ ایک جگہ سے دوسری جگہ کا سفر کر کے تم اللہ کے رزق و فضل کے طالب بنو اور اس کے شکرگزار رہو ــــــ مطلب یہ ہے کہ اس کائنات کے ظاہری تضاد میں گم ہو کے نہ رہ جاؤ بلکہ ان اضداد کے باہمی توافق پر بھی نگاہ ڈالو تو یہ حقیقت روشن ہو جائے گی کہ ایک ہی خدائے قادر و قیوم نے اس دنیا کو وجود بخشا ہے اور اسی نے اپنی قدرت و حکمت سے اس کے تمام اجزائے مختلفہ کو انسان کی خدمت میں لگا رکھا ہے تاکہ انسان اپنے پروردگار کا شکرگزار رہے۔

'يُولِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ الآیۃ' یہ اسی حقیقت کی طرف ایک دوسری مثال سے توجہ دلائی ہے کہ یہی حال تمہارے سامنے روز آنے والی رات اور روز ظاہر ہونے والے دن کا بھی ہے۔ وہ بھی بظاہر ضدین کی نسبت رکھتے ہیں لیکن ان کے درمیان بالکل زوجین کا توافق پایا جاتا ہے۔ دونوں ہی اس دنیا کے بقا اور تمہاری راحت و معیشت کے لیے ضروری ہیں۔ یہی حال سورج اور چاند کا بھی ہے۔ نادانوں نے ان کو معبود بنا کر پوجا حالانکہ وہ اپنے وجود سے شہادت دیتے ہیں کہ خدا نے ان کو اپنی خلق کی خدمت کے لیے مسخر کر رکھا ہے۔ چنانچہ دونوں اپنے معین نظام اوقات کے ساتھ برابر تمہاری خدمت میں سرگرم رہتے ہیں۔

'ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ'۔ یہ خلاصہ ہے اوپر کی ساری بحث کا کہ یہی اللہ جس کی یہ شانیں، قدرتیں اور حکمتیں دیکھتے ہو تمہارا رب ہے اور اسی کے قبضۂ قدرت میں آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے۔

'وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا یَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍ'۔ 'قِطْمِیْر' اس باریک غلاف کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی کے اوپر ہوتا ہے۔

یہ وہی بات منفی اسلوب سے فرمائی گئی ہے کہ وہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے اور پوجتے ہو تو وہ اس دنیا کے خلق و تدبیر میں ذرہ برابر بھی دخل نہیں رکھتے۔

اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۚ وَلَا یُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِیْرٍ (۱۴)

'اِسْتَجَابَ لَهٗ' کے معنی ہیں اس کا جواب دیا یا اس کی فریاد رسی کی۔

فرضی معبودوں کی بے بسی دنیا اور آخرت دونوں میں

یہ ان کے مزعومہ دیوتاؤں کی بے بسی اور بے حقیقتی واضح فرمائی ہے کہ اگر تم اپنی کسی مشکل میں ان کو مدد کے لیے پکارو گے تو اول تو وہ تمہاری فریاد سنیں گے نہیں اور سن بھی لیں تو وہ تمہاری کوئی فریاد رسی نہیں کریں گے۔ ان کی یہ بے بسی اس دنیا میں بھی واضح ہے اور آخرت میں یہ مزید ہو جائے گی۔ مشرکین جن چیزوں کو پوجتے تھے اول تو ان کا کوئی مسمّٰی موجود ہی نہیں تھا اس وجہ سے ان کے سننے یا فریاد رسی کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر کچھ ایسی ہستیوں کو پوجتے تھے جن کا کوئی وجود ہے تو اول تو وہ آخرت میں اپنی بے خبری کا اظہار کریں گی کہ ہمیں علم نہیں کہ کچھ لوگ ہماری عبادت کرتے رہے ہیں۔ ثانیاً ان میں سے جو صالحین ہوں گے مثلاً ملائکہ اور انبیاء وہ تو صاف الفاظ میں اعلان برات کریں گے۔ اور جو اشرار ہوں گے مثلاً جنات و شیاطین تو وہ ان فریاد کرنے والوں کو جواب دیں گے کہ یہ تمہاری بدبختی تھی کہ تم نے ہماری پرستش کی، اب اس کا انجام بھگتو۔ اب نہ تم ہمارے کچھ کام آ سکتے اور نہ ہم تمہاری کوئی فریاد رسی کر سکتے ہیں۔

'وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ'۔ یعنی اس دنیا میں تو وہ تمہاری فریاد سے بے خبر اور تمہاری فریاد رسی سے بے بس ہیں اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک کا انکار کریں گے۔ چنانچہ فرشتوں کے انکار کی تفصیل سورۂ سبا میں بدیں الفاظ گزر چکی ہے۔

وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ یَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِیَّاكُمْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِیُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ (سبا: ۴۰-۴۱)	اور اس دن کا دھیان کرو جس دن وہ ان سب کو اکٹھا کرے گا، پھر فرشتوں سے پوچھے گا کہ کیا یہ لوگ تمہاری پرستش کرتے رہے ہیں؟ وہ جواب دیں گے کہ تو پاک ہے! ان کے مقابل میں تو ہمارا کارساز ہے بلکہ یہ لوگ جنوں کی پوجا کرتے رہے ہیں۔

نہایت بلیغ تنبیہ

وَلَا یُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ۔ یہ آخر میں تنبیہ اور نہایت ہی زوردار اور بلیغ تنبیہ ہے۔ خَبِیْر کی تنکیر تفخیم شان کے لیے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان باتوں کو سن لو اور اچھی طرح سن لو، اس لیے کہ غیب کے پردوں میں کیا ہے اور کل کیا کچھ تمھارے سامنے آنے والا ہے اس کو ایک حقیقی باخبر ہی جانتا ہے۔ اس سے بڑھ کر تمھیں ان حقائق سے کوئی دوسرا باخبر نہیں کر سکتا۔ تمھاری بدقسمتی ہوگی اگر تم نے اس کی قدر نہ کی اور جھوٹی آرزوؤں میں پھنسے رہ گئے!

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ۝ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ۝ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ (۱۵-۱۷)

یہ اسی تنبیہ پر اضافہ اور نہایت زوردار اضافہ ہے۔ خطاب بھی 'یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ' کے الفاظ سے ہے کہ سب کان کھول کر سن لیں کہ تعلیم و تذکیر کا یہ سارا اہتمام جو کیا گیا ہے، اور خدا کا رسول لوگوں کو جگانے اور جھنجھوڑنے کے لیے اپنے رات دن جو ایک کیے ہوئے ہے تو اس لیے نہیں کہ لوگوں کے ایمان نہ لانے سے خدا کا کوئی کام اٹکا ہوا ہے، خدا تو بالکل بے نیاز اور اپنی ذات میں ستودہ صفات ہے، البتہ تم لوگ خود خدا کے محتاج ہو، اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ خدا کی بے نیازی کا تو یہ عالم ہے کہ وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور تمھاری جگہ ایک دوسری نئی مخلوق لا بسائے۔ اگر وہ یہ کرنا چاہے تو یہ کام ذرا بھی اس کے لیے مشکل نہیں ہے۔ یہ محض تمھارے اوپر اس کی رحمت و عنایت ہے کہ تمھاری ان ناقدریوں اور ناشکریوں کے باوجود تمھیں مہلت دیے جا رہا ہے۔ بہتر ہے کہ اس مہلت سے فائدہ اٹھاؤ ورنہ یاد رکھو کہ نہ خدا کا کچھ بگاڑو گے نہ اس کے رسول کا بلکہ اپنے ہی کو تباہ کرو گے۔

'هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ' کی وضاحت ہم دوسرے مقام میں کر چکے ہیں کہ خدا اپنی ذات میں کامل ہے، اس کا یہ کمال اس کی ذات سے خارج کی کسی چیز کا محتاج نہیں ہے۔ ساتھ ہی وہ حمید یعنی تمام صفاتِ حمد سے متصف بھی ہے۔ خلق کے ساتھ اس کا تعلق کسی احتیاج پر نہیں بلکہ تمام تر اس کی رحمت و عنایت پر مبنی ہے۔

من نہ کردم خلق تا سودے کنم
بلکہ کردم خلق تا جودے کنم

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا یُحْمَلْ مِنْهُ شَیْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ؕ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا یَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِیْرُ (۱۸)

یہ اسی اوپر والے مضمون کی مزید وضاحت دوسرے پہلو سے ہے۔ فرمایا کہ اس دن کوئی جان کسی دوسرے کا بوجھ اٹھانے والی نہیں بنے گی بلکہ ہر ایک کو اپنا بوجھ خود اٹھانا پڑے گا۔

'وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى'۔ 'مُثْقَلَةٌ' سے پہلے موصوف محذوف ہے۔ یعنی 'نفس مثقلۃ' (اپنے بارِ گناہ کے نیچے دبی ہوئی جان)۔ اسی طرح 'اِلٰى حِمْلِهَا' میں 'حمل' سے پہلے مضاف محذوف ہے اور 'کان' کے بعد اس کا اسم 'المدعو' محذوف ہے۔ یہ تمام محذوفات اعلیٰ عربیت کے معروف قواعد کے مطابق ہیں۔

آنحضرت صلعم کو تسلی

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اپنے گناہوں سے بوجھل جان کسی کو پکارے گی کہ ذرا وہ اس کے بوجھ کے اٹھانے میں اس کو سہارا دے دے تو کوئی اس کا ہاتھ بٹانے والا نہیں بنے گا اگرچہ جس کو وہ مدد کے لیے پکارے وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ نیک تو اس لیے اس کا ہاتھ نہیں بٹائیں گے کہ جب وہ دنیا میں اس کے گناہوں میں اس کے ساتھی نہ بنے تو وہ آخرت میں اس کے ساتھی کیوں بنیں اور جو بد ہوں گے وہ خود اپنے بوجھ کے تلے دبے ہوں گے وہ کسی دوسرے کو کیا سہارا دے سکیں گے!

'اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ'۔ یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی ہے کہ تم ان حقائق سے لوگوں کو باخبر کرو، اگر یہ متنبہ ہوتے ہیں تو فبہا۔ نہیں ہوتے ہیں تو ان کو ان کے حال پر چھوڑو، تمہارا انذار صرف انہیں لوگوں پر کارگر ہو سکتا ہے جو اپنی عقل اور سمع و بصر و فؤاد کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھائیں اور غیب میں رہتے اپنے رب سے ڈریں اور نماز کا اہتمام کریں۔ رہے وہ لوگ جو سب کچھ آنکھوں سے دیکھ کر ماننا چاہتے ہیں تو ان کا علاج تمہارے پاس نہیں ہے۔ ان کا معاملہ ہمارے اوپر چھوڑو۔

'وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ' کا ذکر یہاں ایمان کے اولین ثمرہ اور خشیتِ رب بالغیب کی علامت کے طور پر ہوا ہے۔ جو شخص غیب میں خدا سے ڈرتا ہے وہ لازماً نماز کا اہتمام کرتا ہے۔ جو نماز سے بے پروا ہے وہ خدا سے بے پروا ہے اگرچہ وہ زبان سے ایمان کے کتنے ہی بلند بانگ دعوے کرے۔

'وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ'۔ یہ نماز کے فائدے کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جو شخص گناہوں کے بوجھ سے سبکدوش اور پاکیزہ ہونا چاہتا ہو وہ جھوٹے سہاروں پر اعتماد کرنے کے بجائے نماز کا اہتمام کرے۔ یہ چیز اس کو گناہوں سے پاک کرے گی اور جس نے پاکیزگی حاصل کی وہ اپنا ہی بھلا کرے گا اس لیے کہ اللہ کسی کی عبادت و اطاعت کا محتاج نہیں ہے بلکہ بندے خود ہی اس کے محتاج ہیں اور سب کی واپسی بہر حال اسی کی طرف ہونی ہے۔

۴۔ آگے کا مضمون ۔ آیات ۱۹-۲۸

آگے یہ حقیقت واضح فرمائی کہ کس طرح کے لوگ ایمان لائیں گے اور کس قسم کے لوگ اس نعمت سے محروم رہیں گے۔ اس حقیقت کو سمجھانے کے لیے اس کائنات کے اندر اضداد کے وجود کی طرف توجہ

دلائی کہ دیکھتے ہو کہ اس کے اندر روشنی بھی ہے اور تاریکی بھی ، گرمی بھی ہے اور سردی بھی ۔ اسی طرح
زمین میں زرخیز قطعات بھی ہیں جو بارش کا چھینٹا پڑتے ہی لہلہا اٹھتے ہیں اور بنجر علاقے بھی ہیں جو ہزار
بارش ہو لیکن ویران ہی پڑے رہ جاتے ہیں ۔ اسی طرح اشخاص و افراد کے اندر بھی مختلف قسم کی صلاحیتیں
رکھنے والے ہیں ۔ جن کی صلاحیتیں زندہ ہیں وہ اس رحمت کی بارش سے ، جو قرآن کی صورت میں نازل ہوئی
ہے ، فائدہ اٹھائیں گے اور جن کی صلاحیتیں مردہ ہو چکی ہیں وہ اس کے فیض سے محروم رہیں گے ۔ اللہ
تعالیٰ نے جس طرح روشنی و تاریکی اور سردی و گرمی کو اس کائنات کی مجموعی مصلحت کے لیے پیدا کیا ہے
اسی طرح اس کے اندر حق کے طالبوں کی طرح باطل کے پسند کرنے والوں کو بھی مہلت دی ہے اس لیے
کہ حق و باطل کے اس تصادم ہی کے اندر اہلِ حق کے جوہر نکھرتے ہیں اور اہلِ باطل پر اللہ کی حجت تمام ہوتی
ہے ـــــ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے ۔

آیات ۱۹-۲۰ وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴿۱۹﴾ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿۲۰﴾ وَ
لَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿۲۱﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَآءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾
اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴿۲۳﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ؕ
وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿۲۴﴾ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَ
بِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ
ع ۱۲ نَكِيْرِ ﴿۲۶﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ
۱۵ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ
مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ
وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ
الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾

ترجمۂ آیات ۱۹-۲۸

نابینا اور بینا دونوں یکساں نہیں ہوں گے اور نہ تاریکی اور روشنی اور سایہ اور دھوپ یکساں ہیں اور نہ زندہ اور مردے یکساں ہوں گے۔ اللہ ہی جن کو چاہتا ہے سناتا ہے اور تم ان کو سنانے والے نہیں بن سکتے جو قبروں کے اندر ہیں۔ تم تو بس ایک نذیر ہو۔ ہم نے تم کو حق کے ساتھ بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی ہے جس کے اندر ایک نذیر نہ آیا ہو۔ اور اگر یہ لوگ تم کو جھٹلاتے ہیں تو ان سے پہلے جو لوگ ہوئے ہیں انھوں نے بھی جھٹلایا۔ ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل، صحیفوں اور روشن کتاب کے ساتھ آئے تھے۔ پھر میں نے ان لوگوں کو پکڑا تو دیکھو کیسی ہوئی ان کے اوپر میری پھٹکار! ۱۹-۲۶

تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پس ہم نے اس سے مختلف رنگوں کے پھل پیدا کر دیے۔ اور پہاڑوں میں بھی سفید اور سرخ مختلف رنگوں کی دھاریاں ہیں اور بھجنگ کالی بھی۔ اور انسانوں، جانوروں اور چارپایوں کے اندر بھی مختلف رنگ کے ہیں۔ اسی طرح اللہ سے اس کے بندوں میں سے وہی ڈریں گے جو علم رکھنے والے ہیں۔ بے شک اللہ غالب اور بخشنے والا ہے۔ ۲۷-۲۸

۵۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ (۱۹)

ہدایت و ضلالت کے معاملہ میں خدا کا قانون

'اَعْمٰی' سے مراد یہاں عقل و دل کے اندھے ہیں اور 'بَصِیْر' سے وہ لوگ مراد ہیں جن کی عقل و دل کی صلاحیتیں زندہ ہیں اور وہ ان سے کام لیتے ہیں۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ تمہاری دعوت قبول کرنے کے معاملے میں ہر ایک کا حال یکساں نہیں ہوگا۔ جن لوگوں نے اپنی عقل کی آنکھیں پھوڑ لی ہیں اور جن کے دل بے نور ہو چکے ہیں وہ لوگ تمہاری دعوت قبول کرنے والے نہیں

نہیں گے خواہ تم کتنے ہی جتن کرو۔ تمہاری روشنی سے صرف وہی لوگ فائدہ اٹھائیں گے جن کے اندر بصیرت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ جو لوگ اس کی بخشی ہوئی فطری صلاحیتوں کو زندہ رکھتے اور ان کی قدر کرتے ہیں ان کی بصیرت و ہدایت میں وہ مزید اضافہ فرماتا ہے اور جو لوگ ان صلاحیتوں کی قدر نہیں کرتے ان کو مزید عطا ہونا تو در کنار ان سے وہ بھی سلب کر لی جاتی ہیں جو ان کو عطا ہوئی ہوتی ہیں۔ سورۂ نمل میں یہی مضمون ان الفاظ میں بیان ہوا ہے۔

إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ۝ وَمَا أَنتَ بِهَادِي الْعُمْيِ عَن ضَلَالَتِهِمْ ۖ إِن تُسْمِعُ إِلَّا مَن يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا ۝ (النمل: ۸۰-۸۱)

تم مردوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو سنا سکتے جب کہ وہ پیٹھ پھیر کے بھاگے جا رہے ہوں۔ اور تم اندھوں کو بھی ان کی ضلالت سے موڑ کر ہدایت پر نہیں لا سکتے۔ تم تو بس انہیں کو سنا سکتے ہو جو ہماری آیات پر ایمان رکھنے والے ہوں۔

وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ ۝ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ (۲۰-۲۱)

بروں کے اعمال میں بھی اس کائنات کی مصلحت ہے

فرمایا کہ جس طرح اس دنیا میں تاریکی بھی ہے اور روشنی بھی، سایہ بھی ہے اور گرمی بھی؛ اور یہ دونوں یکساں نہیں ہو سکتے، اسی طرح یہ دونوں قسم کے لوگ جن کا ذکر اوپر ہوا یکساں نہیں ہو سکتے۔ تاہم جس طرح تاریکی اور روشنی، سایہ اور گرمی دونوں میں اس دنیا کی مصلحت مضمر ہے اسی طرح اس قسم کے لوگوں کے وجود میں بھی قدرت کی مصلحت ہے۔ اس مصلحت کا ذکر قرآن کے دوسرے مقامات میں ہوا ہے۔ وہاں واضح فرمایا ہے کہ یہ دنیا اللہ تعالیٰ نے چونکہ انسان کے اختیار کے امتحان کے لیے پیدا کی ہے اس وجہ سے اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ اس میں ایک خاص حد تک ان لوگوں کو بھی مہلت ملے جو اس کی بخشی ہوئی صلاحیتوں کی قدر نہیں کرتے اور حق کی جگہ باطل ہی کے پرستار بن کے زندگی گزارتے ہیں۔

اس میں دوسرے 'لا' کے اعادے کو بعض اہل ادب نے زائد مانا ہے، لیکن ہمارے نزدیک یہ زائد نہیں بلکہ تاکید کے لیے ہے۔ اس کی مثالیں پیچھے بھی گزر چکی ہیں۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَن يَشَاءُ ۖ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ (۲۲)

یہ وہی مضمون دوسرے الفاظ اور دوسرے اسلوب میں بیان ہوا ہے۔ اس دور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کی بیزاری سے بڑی پریشانی تھی۔ آپ کو اندیشہ تھا کہ مبادا اس میں آپ ہی کی کسی کوتاہی کو دخل ہو۔ آپ کی یہ پریشانی دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مختلف اسلوبوں سے تسلی دی کہ تمہارا کام زندوں کو سنانا ہے، مردوں کو جگانا تمہاری ذمہ داری نہیں ہے۔ جن کی صلاحیتیں زندہ ہیں

وہ تمھاری بات سن رہے ہیں اور مان رہے ہیں۔ رہے وہ جو عقلی و روحانی اعتبار سے بالکل مردہ ہو چکے ہیں اگر تم چاہتے ہو کہ یہ بھی تمھاری بات سننے والے بن جائیں تو یہ ہونے سے رہا۔

'اِنَّ اللّٰہَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ' ، 'اسماع' یہاں بات کو سننے اور ماننے کی توفیق دینے کے مفہوم میں ہے۔ یعنی یہ اللہ ہی ہے جو سچی بات سننے اور اس کو ماننے کی، جس کو چاہتا ہے، توفیق دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہر چاہنا اس کی حکمت کے تحت ہے۔ اس معاملے میں اس کا قانون یہ ہے کہ جو لوگ اس کی بخشی ہوئی فطری صلاحیتوں کو زندہ رکھتے ہیں ان کو تو وہ مزید سننے سمجھنے اور ماننے کی توفیق بخشتا ہے اور جو لوگ اپنی فطری ہدایت کی قدر نہیں کرتے وہ اخلاقی اعتبار سے مردوں کے حکم میں ہیں، ہمیں ان کو زندہ کرنا خدا کے سوا کسی کے امکان میں نہیں۔

اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِیْرٌ ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا ۚ وَاِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا
خَلَا فِیْہَا نَذِیْرٌ (۲۳-۲۴)

رسول کی ذمہ داری یہ تبلیغ و دعوت کے معاملے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری کی حد واضح فرما دی کہ تم بس لوگوں کو آنے والے خطرے سے آگاہ کر دینے والے ہو۔ یہ ذمہ داری تمھارے اوپر نہیں ہے کہ لوگ تمھاری بات مان بھی لیں۔ تم کو خدا نے حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ جن باتوں کی تم خبر دے رہے ہو ان میں سے ہر بات شُدنی ہے۔ پس تمھارا کام یہ ہے کہ جو لوگ تمھاری باتوں پر کان دھریں ان کو ان کے مبارک انجام کی خوش خبری سنا دو۔ اور جو لوگ تمھاری باتوں سے منہ موڑیں ان کو ان کے انجامِ بد سے آگاہ کر دو۔ اس سے زیادہ تمھاری کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ اس وجہ سے تمھیں ان کے لیے زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

'وَاِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْہَا نَذِیْرٌ' یعنی تم دنیا میں پہلے نذیر نہیں ہو، بلکہ ماضی میں جو قومیں گزری ہیں ان میں بھی اللہ نے اپنے نذیر بھیجے تو ان کی سرگزشت میں تمھارے لیے بھی سبق ہے اور تمھاری قوم کے لیے بھی درسِ عبرت ہے۔ تمھارے ساتھ اللہ وہی معاملہ کرے گا جو اس نے اپنے رسولوں کے ساتھ کیا اور تمھاری قوم کے ساتھ بھی لازماً وہی معاملہ کرے گا جو پچھلی قوموں کے ساتھ اس نے کیا۔

وَاِنْ یُّکَذِّبُوْکَ فَقَدْ کَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہِمْ ۚ جَآءَتْہُمْ رُسُلُہُمْ بِالْبَیِّنٰتِ وَ
بِالزُّبُرِ وَبِالْکِتٰبِ الْمُنِیْرِ ۝ ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَکَیْفَ کَانَ نَکِیْرِ (۲۵-۲۶)

یہ اسی اجمال کی وضاحت ہے۔ فرمایا کہ اگر یہ لوگ تمھاری تکذیب کر رہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ان سے پہلے جو قومیں گزری ہیں اسی طرح انھوں نے بھی اپنے اپنے رسولوں کی تکذیب کی۔ یہ روایت پہلے سے چلی آ رہی ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ پہلی بار تمھاری ہی قوم نے تمھارے ساتھ یہ معاملہ کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ صورتِ حال پہلی بار پیش آئی ہوتی تب تو تمھارے لیے یہ وجہ تشویش ہو سکتی تھی کہ

مبادا اس میں تمہاری کسی کوتاہی کو دخل ہو لیکن جب ہر رسول کے ساتھ اس کی قوم نے یہی سلوک کیا ہے تو معلوم ہوا کہ رسولوں کے ساتھ ان کی قوموں کی روش ہمیشہ سے یہی رہی ہے۔

'جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۔ الآیۃ'۔ یعنی یہ بات بھی نہیں تھی کہ اُن کے رسول خالی ہاتھ آئے ہوں، بلکہ وہ نہایت واضح دلائل و معجزات، صحیفوں اور روشن کتاب کے ساتھ آئے لیکن ان چیزوں میں سے کوئی چیز بھی ان کو قائل کرنے والی نہ بن سکی۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے مخالفوں سے بھی تم یہ توقع نہ رکھو کہ اگر ان کی طلب کے مطابق ان کو کوئی نشانی دکھا دی جائے تو یہ ایمان لانے والے بن جائیں گے۔ اس قسم کے لوگوں کے لیے ساری نشانیاں، سارے صحیفے اور تمام کتابیں بے سود ہیں۔

'بَیِّنٰت' اور 'زُبُر' تو عام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر رسول کو ان سے مسلح کر کے بھیجا۔ 'کتابِ منیر' سے اشارہ تورات کی طرف ہے۔ قرآن مجید سے پہلے 'کتاب منیر' کی حیثیت اسی کو حاصل رہی۔

مکذبین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ

'ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا'۔ قوموں نے جو روش اختیار کی وہ اوپر مذکور ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ جو معاملہ کیا یہ اس کا بیان ہے۔ فرمایا کہ جب انھوں نے رسول کی تکذیب کر دی تو ہم نے ان کو پکڑا اور جب پکڑا تو دیکھو کس طرح پکڑا اور کیسی عبرت انگیز سزا ان کو دی! مطلب یہ ہے کہ اگر تمہاری قوم بھی اپنی اسی روش پر جمی رہی تو اس کے ساتھ بھی ہم یہی معاملہ کریں گے۔ ہمارا قانون سب کے لیے ایک ہی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ۭ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ (۲۷)

آیات ۲۷-۳۰ کا مضمون ایک نئے اسلوب سے

وہی حقیقت جو آیات ۲۰-۲۲ میں سمجھائی گئی ہے اس کائنات کی دوسری مثالوں کی روشنی میں سمجھائی جا رہی ہے۔ گویا آیات ۲۳-۲۶ بیچ میں بطور التفات آگئی تھیں۔ ان کے ختم ہونے کے بعد کلام پھر اپنے اصل سلسلہ سے مربوط ہو گیا۔ فرمایا کہ دیکھتے نہیں کہ اللہ آسمان سے بارش نازل کرتا ہے تو اس سے ایک ہی قسم کی چیز نہیں اُگتی بلکہ طرح طرح کی مختلف النوع اور مختلف الالوان چیزیں اُگ پڑتی ہیں۔ اسی سے خوش نما، خوش رنگ اور خوش ذائقہ پھلوں والی چیزیں بھی اُگتی ہیں اور اسی سے ناقص زمینوں میں جھاڑ جھنکاڑ بھی اُگتے ہیں۔ یہی حال اس قرآنی بارش کا بھی ہے۔ اس سے بھی صالح طبیعتوں کی صلاحیتیں بھی ابھریں گی اور جن کے اندر کھوٹ اور فساد ہے وہ بھی ابھر کر سامنے آئے گا۔ اس لیے کہ شیطان اس کو ٹھنڈے پیٹوں نہیں برداشت کرے گا بلکہ وہ بھی اپنی ذریات کو اس کے مقابلے کے لیے ابھارے گا۔ لفظ 'الوان' عربی میں صرف رنگوں ہی کے مفہوم میں نہیں آتا بلکہ انواع و اقسام کے مفہوم میں بھی آتا ہے۔ آگے بھی اسی آیت میں یہ لفظ اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔

سورۂ اعراف میں بارش کے اثرات کے اس پہلو کی طرف ان الفاظ میں توجہ دلائی ہے۔

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَکِدًا ۔ (الاعراف : ۵۸)

اور جو زمین زرخیز ہوتی ہے تو اس کے رب کے حکم سے اس کی نباتات بھی اچھی اگتی ہیں اور جو ناقص ہوتی ہے تو اس کی نباتات بھی ناقص ہی اگتی ہیں۔

اس آیت کے تحت ہم جو کچھ لکھ آئے ہیں، اس مقام کی وضاحت کے لیے ایک نظر اس پر بھی ڈال لیجیے۔

'وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِیْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُھَا وَغَرَابِیْبُ سُوْدٌ'۔ 'جُدَدٌ' جمع ہے 'جُدَّۃٌ' کی۔ یہ لفظ اصلاً تو گدھوں اور خچروں کی پیٹھوں پر مختلف رنگوں کی جو دھاریاں ہوتی ہیں ان کے لیے آتا ہے لیکن یہاں یہ ان مختلف الالوان سلوں اور چٹانوں کے لیے آیا ہے جن کی دھاریاں یا قطاریں پہاڑوں کے اندر پائی جاتی ہیں۔

اسلوب سے متعلق ایک سوال کا جواب

'غَرَابِیْبُ' جمع ہے 'غربیب' کی۔ اس کے معنی ہیں کالا بھجنگ۔ یہ لفظ عام طور پر 'اسود' کی تاکید کے لیے آتا ہے۔ مثلاً کہیں گے 'اسود غربیب'۔ فلاں چیز کالی بھجنگ ہے۔ اس وجہ سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں یہ 'سود' سے پہلے کیوں آیا؟ تاکید کا مقدم آنا تو بلاغت کے خلاف ہے؟ اس سوال کے جواب مختلف اہل ادب نے مختلف دیے ہیں۔ بعض نے اس کو بدل کے مفہوم میں لیا ہے جو وضاحت کے طور پر آیا ہے۔ اگر یہ توجیہ مان لی جائے تو یہ اس پہلو سے صحیح ہے کہ جو بدل وضاحت کے طور پر آتا ہے وہ درحقیقت تاکید ہی کے لیے آتا ہے۔ اس صورت میں متکلم گویا اپنی بات سادہ الفاظ میں پھر مخاطب کے سامنے دُہرا دیتا ہے کہ اچھی طرح اس کے ذہن نشین ہو جائے۔ یہاں سیاہ قسم کے پتھروں کی طرف اس وضاحت کے ساتھ توجہ دلانے کی وجہ یہ ہے کہ مقصود یہ سمجھانا ہے کہ جس طرح پہاڑوں میں سیاہ پتھر ہوتے ہیں اسی طرح لوگوں کے اندر سیاہ قلب افراد ہوتے ہیں اور جس طرح سفید و سرخ اور سیاہ پتھروں کا الگ الگ مصرف ہے۔ اسی طرح سیاہ قلب افراد کا بھی ایک محل اور مصرف ہے جس کے لیے قدرت نے ان کو اس دُنیا میں مہلت دی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ۭ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰۗؤُا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ (۲۸)

فرمایا کہ جمادات کی طرح انسانوں، جانداروں اور چوپایوں میں بھی قدرت کی یہی گوناگونی و بوقلمونی نمایاں ہے۔ لفظ 'الوان' یہاں بھی صرف رنگوں کے مفہوم میں نہیں بلکہ انواع و اقسام کے وسیع مفہوم میں ہے، یعنی صورت، سیرت، صفات، مزاج، خصوصیات اور عادات و اطوار کے اعتبار سے ان میں بڑا فرق و اختلاف پایا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہر جانور سے دودھ کی توقع نہیں کی جا سکتی اسی طرح ہر آدمی سے خدا کی خشیت کی توقع بھی نہیں رکھنی چاہیے۔ اللہ کے بندوں میں سے اس

سے ڈرنے والے وہی بنیں گے جن کے اندر علم و معرفت کی روشنی ہو گی۔

لفظ 'عُلَمٰٓؤُا' یہاں اصطلاحی مفہوم میں نہیں بلکہ اپنے حقیقی مفہوم میں ہے۔ اوپر آیت ۱۸ میں جس طرح فرمایا ہے 'اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَیْبِ' (تم تو بس انہی لوگوں کو ڈرا سکتے ہو جو غیب میں رہتے اپنے رب سے ڈرنے والے بنیں) اسی طرح یہاں فرمایا ہے 'کَذٰلِکَ ۔ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا'۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک تو وہ لوگ ہوتے ہیں جو محض ظاہر پرست ہوتے ہیں، محسوسات سے آگے نہ ان کو کچھ نظر آتا اور نہ اس سے آگے وہ کچھ دیکھنے کی کوشش ہی کرتے؛ دوسرے وہ ہوتے ہیں جن کے اندر ظاہر سے باطن اور مجاز سے حقیقت تک پہنچنے کی صلاحیت ہوتی ہے، اور جو اپنے بطن و فرج کی مطلوبات سے زیادہ اہمیت اپنی عقل اور روح کے مطالبات کو دیتے ہیں۔ درحقیقت یہی لوگ ہیں جو انسانیت کے گلِ سرسبد اور علماء کے لقب کے اصلی مستحق ہیں اور یہی لوگ ہیں جو اللہ سے ڈرنے والے بنتے ہیں اور اللہ کے رسولوں کی دعوت ان کو اپیل کرتی ہے۔

'اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ'، جس طرح اوپر والی بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لیے فرمائی گئی ہے اسی طرح 'عزیز' اور 'غفور' کی صفات کا حوالہ بھی آپ کی تسلی ہی کے لیے دیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آج جو لوگ تمھاری دعوت کو رد کر رہے ہیں خدا جب چاہے ان کو پکڑ سکتا ہے لیکن وہ 'عزیز' ہونے کے ساتھ ساتھ 'غفور' بھی ہے اس وجہ سے جب تک اس کی حکمت مقتضی ہوتی ہے وہ اس طرح کے لوگوں کو مہلت دیتا ہے۔

صحیح علم کا منبع اللہ کی معرفت ہے

اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحیح علم کا منبع درحقیقت اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔ جس کو خدا کی معرفت حاصل نہیں ہوئی وہ علم سے بالکل محروم ہے اگرچہ وہ دنیا جہان کی کتابیں حفظ کر ڈالے۔ اسی طرح یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جس کو خدا کی معرفت حاصل ہے اس کے اندر لازماً خدا کی خشیت بھی ہو گی۔ اگر کوئی شخص خدا کی خشیت سے محروم ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس کی معرفت سے بھی محروم ہے۔ یہی معرفت اور خشیت انسان کے تمام علوم و افکار میں حقیقی زندگی پیدا کرتی ہے جس سے علوم و فنون دنیا کے لیے موجب خیر و برکت بنتے ہیں۔ اگر یہ چیز نہ ہو تو انسان کی ساری ذہانت شیطان کی مقصد برآری میں صرف ہوتی ہے اور وہ بالآخر تباہی کا موجب بنتی ہے۔

ایک سوال کا جواب

یہاں ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہو کہ مذکورہ بالا آیات سے تو یہ بات نکلتی ہے کہ جس طرح اس کارخانۂ کائنات میں اللہ تعالیٰ نے مختلف الانواع چیزیں پیدا کی ہیں اور ان سب کے پیدا کرنے میں اس کی حکمت و مصلحت ہے اسی طرح ان لوگوں کے وجود میں بھی حکمت و مصلحت ہے جو حق کے مخالف، خدا کی خشیت سے خالی اور باطل کے علم بردار ہیں۔ جب صورت واقعہ یہ ہے تو آخر یہ لوگ سزاوارِ ملامت اور مستحقِ عتاب و عذاب کس بنا پر ہیں؟ اگرچہ ہم اوپر کی سطروں میں اس شبہے کو صاف کرتے آئے ہیں

لیکن یہاں پھر اس کی طرف اشارہ کیے دیتے ہیں کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے فطرت اللہ پر پیدا کیا ہے اس وجہ سے اس کے لیے صحیح رویہ یہ ہے کہ وہ اپنی فطرت کے داعیات کا ساتھ دے لیکن چونکہ وہ حیوانات جمادات کی طرح مجبور نہیں بلکہ ذی اختیار ہے اس وجہ سے ان میں بہتیرے اپنی فطرت اور اپنے رب کے احکام کی خلاف ورزی بھی کرتے ہیں۔ اپنے اختیار کے اس سوءِ استعمال پر وہ مستحقِ سزا ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ ان کو مہلت دیتا ہے تاکہ ان پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہو جائے اور ان کی مخالفتِ حق اہلِ حق کے امتحان کا ذریعہ بن سکے۔ اس پہلو سے غور کیجیے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ ایک پہلو سے ان کا وجود مطابقِ حکمت و مصلحت ہے اور قدرت اس حکمت و مصلحت ہی کی خاطر ان کو اس دنیا میں ایک خاص وقت تک کے لیے مہلت دیتی ہے لیکن دوسرے پہلو سے یہ مستحق سزا ہیں کہ انھوں نے اپنے سمع و بصر کی صلاحیتوں کی قدر نہیں کی اور نفس کی خواہشوں کی پیروی میں اپنے اختیار کو غلط استعمال کیا۔

۶۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۲۹-۳۸

اوپر کے پیرے میں جو بات اصولی حیثیت سے بیان فرمائی ہے آگے کی آیات میں اسی کو واقعات و حالات پر منطبق کیا ہے یعنی یہ واضح فرمایا ہے کہ پچھلی امتوں کے وارثین میں سے کون لوگ ہیں جو علماء کے لقب کے مستحق ہیں اور وہ اس قرآن پر ایمان لانے والے بنیں گے اور اب جس قوم کو اللہ نے اپنی کتاب کی وراثت کے لیے منتخب کیا ہے اس کے اخیار یا اشرار اس کے ساتھ کیا رویہ اختیار کریں گے۔ پھر ان دونوں کے نتائج اعمال کی وضاحت فرمائی ہے۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۲۹-۳۸ إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا
رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَنْ تَبُورَ ﴿٢٩﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ
أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ ﴿٣٠﴾ وَالَّذِي
أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ
إِنَّ اللَّهَ بِعِبَادِهِ لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ ﴿٣١﴾ ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ
اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۖ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ
وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ﴿٣٢﴾

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ
لُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ
عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُۨ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ
مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا
يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴿۳۶﴾ وَهُمْ
يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا
نَعْمَلُ ۭ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاۗءَكُمُ النَّذِيْرُ ۭ
فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۳۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ ع ۱۱/۱۶
وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۳۸﴾

ترجمہ آیات ۲۹-۳۸

بے شک جو لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے، نماز کا اہتمام کرتے اور جو کچھ ہم نے ان کو رزق دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں وہ ایک ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جس کے لیے کبھی کساد بازاری نہیں۔ تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا اجر بھی دے اور ان کے لیے اپنے فضل ہی سے زیادہ بھی کرے۔ بے شک وہ بخشنے والا اور قبول فرمانے والا ہے۔ اور ہم نے تمھاری طرف جو کتاب وحی کی ہے، یہی حق ہے، ان پیشین گوئیوں کی مصداق جو اس کے پہلے سے موجود ہیں۔ بے شک اللہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا، دیکھنے والا ہے۔ ۲۹-۳۱

پھر ہم نے کتاب کا وارث بنایا ان لوگوں کو جن کو اپنے بندوں میں سے منتخب کیا۔

پس ان میں سے کچھ تو اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے ہیں، کچھ ان میں سے میانہ رَو ہیں اور کچھ ان میں سے اللہ کی توفیق سے بھلائیوں میں سبقت کرنے والے ہیں یہی سب سے بڑا فضل ہے۔ ان کے لیے ہمیشگی کے باغ ہوں گے جن میں وہ داخل ہوں گے، ان میں ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور اس میں ان کا لباس ریشم ہوگا۔ اور وہ کہیں گے شکر ہے اللہ کا جس نے ہم سے غم کو دور کیا۔ بے شک ہمارا رب بخشنے والا، قبول فرمانے والا ہے۔ جس نے ہمیں اپنے فضل سے اس اقامت کے گھر میں اتارا، اس میں نہ ہمیں کوئی کلفت پہنچے گی اور نہ کبھی تکان لاحق ہوگی۔ ۳۲-۳۵

اور جنھوں نے کفر کیا ان کے لیے جہنم کی آگ ہے۔ نہ ان کی قضا ہی آئے گی کہ مر جائیں اور نہ ان سے ان کا عذاب ہی کچھ ہلکا کیا جائے گا۔ ایسا ہی ہم بدلہ دیں گے ہر ناشکرے کو! اور وہ اس میں واویلا کریں گے۔ اے ہمارے رب! ہم کو اس سے نکال، اب ہم نیک عمل کریں گے، ان اعمال سے مختلف جو ہم اب تک کرتے رہے ہیں ——— کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی کہ جو یاددہانی حاصل کرنا چاہے اس میں یاددہانی حاصل کر سکے! اور تمھارے پاس آگاہ کرنے والا بھی پہنچا! تو اب اس عذاب کو چکھو۔ ظالموں کے لیے کوئی مدد کرنے والا نہیں بنے گا۔ اللہ آسمانوں اور زمین کے غیب کو جاننے والا ہے۔ بے شک وہ سینوں کے بھیدوں سے بھی اچھی طرح باخبر ہے۔ ۳۶-۳۸

۷۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَنْ تَبُورَ (۲۹)

علماء کی تفصیل

اوپر آیت ۲۸ میں جن لوگوں کو 'علماء' کہا ہے اور جن کی تعریف میں فرمایا ہے کہ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈریں گے جو علم رکھنے والے ہیں) یہ انہی علماء کی تفصیل ہے۔ فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے، نماز کا اہتمام کرتے اور خدا کے بخشے ہوئے رزق و فضل میں سے فیاضی کے ساتھ سرًّا و علانیۃً راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں، یہ لوگ ہیں جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔ اور ان کا یہ انفاق ایک ایسی تجارت ہے جس کے لیے مستقبل میں کسی کساد بازاری کا اندیشہ نہیں بلکہ اس کی برکات میں برابر اضافہ پر اضافہ ہوتا رہے گا۔

یہ اشارہ اگرچہ ان تمام صالحین کی طرف ہو سکتا ہے جو ان صفات سے متصف تھے لیکن میرا ذہن اس طرف جاتا ہے کہ یہ ان علمائے اہلِ کتاب کی طرف اشارہ ہے جو قرآن پر ایمان لائے اور قرآن نے جگہ جگہ جن کی تعریف فرمائی ہے۔ میرے نزدیک اس کا قرینہ یہ ہے کہ ان کے ذکر کے بعد بنی اسماعیل کے اخیار و اشرار کا ذکر آیت ۳۲ میں مستقلاً آ رہا ہے اور ان کا ذکر ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا (پھر ہم نے کتاب کا وارث بنایا اپنے بندوں میں سے ان لوگوں کو جن کو اس کے لیے منتخب کیا) کے الفاظ سے ہوا ہے۔ یہاں لفظ 'ثُمَّ' (پھر) اس بات کی دلیل ہے کہ اوپر جن لوگوں کا ذکر ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو قرآن سے پہلے کی کتاب کے وارث بنائے گئے تھے اور وہ اللہ کی توفیق سے اس پر قائم رہے جس کی برکت سے ان کو قرآن کے نازل ہونے کے بعد اس پر بھی ایمان لانے کی سعادت حاصل ہوئی۔

یہاں ان صالحین اہلِ کتاب کی تعریف میں تین باتوں کا ذکر خاص طور پر کیا ہے۔ تلاوتِ کتاب اللہ، اقامتِ صلوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہی تین چیزیں دین کی حقیقی محافظ اور خشیتِ الٰہی کی اصلی علامت ہیں اور قرآن میں نہایت تصریح کے ساتھ یہ بات بیان ہوئی ہے کہ یہود نے اپنی کتاب فراموش کر دی تھی، نماز ضائع کر بیٹھے تھے اور ان پر بخالت و زرپرستی کی بیماری مسلط ہو گئی تھی اس وجہ سے وہ قرآن پر ایمان لانے کی سعادت سے محروم رہے۔ ان کے اندر سے صرف وہ لوگ قرآن پر ایمان لائے جو ان بیماریوں سے محفوظ رہے۔

'يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ' میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ جنھوں نے اس دنیا کی زندگی کو مقصود بنا کر حرام و حلال کی کمائی سے اپنی تجوریاں بھریں اور ہر ایک نے راک فیلر بننے کی کوشش کی ان کا حشر تو ایک دن یہ ہونا ہے کہ ان کی ساری دولت خاک اور راکھ ہو کر اڑ جائے گی۔ البتہ جو لوگ اپنی دولت اللہ کی راہ میں خرچ کریں گے وہ اپنا سرمایہ ایک ایسے کاروبار میں لگا رہے ہیں جس میں کبھی کسی خسارے کا اندیشہ نہیں ہے۔

لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ (۳۰)

یہ ان کے انفاق کے محرک کی طرف اشارہ بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بھرپور صلہ کا وعدہ بھی کہ وہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں نہ ریاء و نمائش کے لیے خرچ کرتے ہیں، نہ اس کا کوئی معاوضہ چاہتے اور نہ اس کا کوئی احسان جتاتے ہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے خرچ کرتے ہیں کہ وہ ان کو اس کا پورا پورا صلہ دے اور اپنے فضل سے اس پر مزید اضافہ فرمائے۔ چنانچہ ان کا رب ان کے ساتھ ان کی توقعات کے مطابق معاملہ کرے گا اس لیے کہ وہ کوتاہیوں اور غلطیوں کو معاف اور بندوں کے اعمال کی قدر فرمانے والا ہے۔ یہاں 'غَفُوْرٌ شَکُوْرٌ' کی صفات کا حوالہ بندوں کی امید افزائی کے لیے ہے کہ ان کی نیکیاں قبول کرنے کے معاملے میں اللہ تعالیٰ بڑی چشم پوشی سے کام لے گا اور ان کے چھوٹے چھوٹے عمل کو بھی قدر و عزت کے ساتھ قبول فرمائے گا۔

وَالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ ھُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ ط اِنَّ اللّٰہَ بِعِبَادِہٖ لَخَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ (۳۱)

صالحینِ اہلِ کتاب کو دعوتِ ایمان

یہ صالحینِ اہلِ کتاب کو دعوتِ ایمان ہے کہ جو کتاب ہم نے تم پر وحی کی ہے یہی حق ہے۔ اس لیے تمام طالبینِ حق کو چاہیے کہ اس کو ہاتھوں ہاتھ لیں اور حرزِ جاں بنائیں۔ 'ھُوَ الْحَقُّ' میں حصر کا جو مضمون ہے وہ اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ اس سے پہلے اللہ نے اہلِ کتاب کو جو کتاب دی اس کو انھوں نے اپنی تحریفات سے رطب و یابس کا مجموعہ بنا ڈالا اس وجہ سے وہ حق کی نعمت سے محروم ہو گئے تھے۔ اب اللہ نے اس کتاب کی صورت میں اس کو بالکل بے آمیز اور کامل شکل میں از سرِ نو اجاگر کیا ہے تاکہ یہ خلق کی ہدایت کا ذریعہ بنے۔

'مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ' یہ اس کتاب کی حقانیت کی وہ دلیل ہے جو خاص طور پر اہلِ کتاب پر اتمامِ حجت کے لیے قرآن میں جگہ جگہ مذکور ہوئی ہے کہ یہ کتاب ان پیشین گوئیوں کا مصداق ہے جو سابق صحیفوں میں اس کے باب میں پہلے سے وارد ہیں۔ ان پیشین گوئیوں کا حوالہ ان کے محل میں ہم تفصیل سے دے چکے ہیں۔

'اِنَّ اللّٰہَ بِعِبَادِہٖ لَخَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ' فرمایا کہ اللہ نے اس حق کی حفاظت کا یہ اہتمام اس لیے فرمایا کہ وہ اپنے بندوں کے حال کی خبر رکھنے والا اور ان کے بناؤ اور بگاڑ کو برابر دیکھتے رہنے والا ہے۔ چنانچہ جب اس نے دیکھا کہ جس ہدایت سے اس نے ان کو نوازا تھا یا سابقوں کی خیانت سے وہ اس سے محروم ہو گئے تو اس کی حفاظت کا اس نے از سرِ نو انتظام فرمایا۔ اگر وہ یہ انتظام نہ فرماتا تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ وہ اپنی خلق کے خیر و شر سے بالکل بے تعلق ہے۔ حالانکہ وہ بے تعلق نہیں بلکہ ایک ایک چیز سے باخبر اور ہر جزئیہ پر نظر رکھنے والا ہے۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا ج فَمِنْھُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ ج وَمِنْھُمْ مُّقْتَصِدٌ ج

وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ (۳۲)

خلق کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ کا انتظام

یہ اس انتظام کا ذکر ہے جو اپنی ہدایت سے خلق کو بہرہ یاب کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ 'اَلَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا' سے یہاں بنی اسماعیل یا بالفاظ دیگر 'امیین عرب' من حیث الجماعت مراد ہیں جن کے اندر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اپنا وہ آخری رسول بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا جس کے ذریعے سے خلق کو آخری اور کامل شریعت ملنے والی تھی۔ فرمایا کہ ہم نے اپنے بندوں میں سے ایک دوسرے گروہ کو چنا اور اس کو اپنی کتاب کا وارث بنایا۔ 'وارث بنایا' کے الفاظ اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ اس سے پہلے جو لوگ کتاب الٰہی کے وارث بنائے گئے تھے (یعنی بنی اسرائیل) ان سے یہ امانت چھینی اور ایک دوسرے گروہ کو جس کو اس شرف کے لیے منتخب کیا، یعنی بنی اسماعیل کو، یہ امانت بخشی۔

امیوں کے اسی شرف کی طرف اشارہ سورۂ جمعہ کی آیت 'هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ الاٰية' میں ہے اور قرآن نے جگہ جگہ ان کے اس شرف کا حوالہ دے کر ان کو ایمان کی دعوت دی ہے کہ وہ اس کی قدر کریں۔ اگر انھوں نے اس کی قدر نہ کی تو دنیا کی امامت کی جس عزت کے لیے اللہ نے ان کا انتخاب فرمایا ہے وہ اس سے اپنے کو محروم کر لیں گے۔ امیوں کی اس عزت افزائی کا ذکر سورۂ نساء میں یوں آیا ہے۔

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى	کیا (بنی اسرائیل) اس فضل کی بنا پر لوگوں پر (یعنی اسماعیل
مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ	پر) حسد کر رہے ہیں جو ہم نے ان پر (بنی اسماعیل پر)
فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ	کیا؟ اگر وہ حسد کر رہے ہیں تو جتنا حسد کرنا چاہیں کر لیں!
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ	ہم نے تو آل ابراہیم (بنی اسماعیل) کو کتاب اور حکمت
مُّلْكًا عَظِيْمًا ۝ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ	بھی عطا فرمائی اور ان کو ایک عظیم بادشاہی بھی بخشی تو
بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۭ	ان میں سے (بنی اسماعیل میں سے) کچھ تو اس کتاب پر ایمان
وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ۝	لائے اور ان میں سے کچھ اس سے اعراض کرنے والے بنے
(النساء : ۵۴ - ۵۵)	ہوئے ہیں اور دوزخ کی آگ ان کے لیے کافی ہے۔

اس آیت کے تحت ہم جو کچھ لکھ آئے ہیں آیت زیر بحث کو سمجھنے کے لیے اس پر ایک نظر ڈال لیجیے۔ جس طرح اس آیت میں بنی اسماعیل من حیث الجماعت مراد ہیں اور ان کو کتاب و حکمت اور ملک عظیم دیے جانے کا ذکر ہے اسی طرح آیت زیر بحث میں ان کی جس برگزیدگی کی طرف اشارہ ہے وہ من حیث الجماعت ان کو حاصل ہوئی۔ یہود کو ان کی اس برگزیدگی پر بڑا حسد تھا اور ان کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کا ایک بڑا محرک یہی تھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ آپ کی نبوت اگر قائم ہو گئی تو اس

طرح وہ مذہبی پیشوائی جواب تک ان کو حاصل رہی ہے ان کے حریفوں یعنی بنی اسمٰعیل کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ قرآن نے جگہ جگہ بنی اسرائیل کے اس کھوٹ سے عربوں کو آگاہ کیا ہے اور ان کو دعوت دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جس شرف سے نوازا اور جس منصب عظیم کے لیے ان کا انتخاب فرمایا ہے اس کی قدر کریں، اس کی مخالفت کر کے اپنے دشمنوں کی مقصد برآری کا سامان نہ کریں۔ اسی طرح یہاں اس برگزیدگی کا حوالہ اس مقصد سے دیا ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اس فضل و انعام کی قدر کریں، اس سے محروم نہ رہیں۔

قرآن کے باب میں بنی اسمٰعیل کا رویہ من حیث الافراد

'فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ'۔ یہ من حیث الافراد ان کا وہ رویہ بیان ہوا ہے جو انھوں نے اللہ تعالیٰ کے اس انعام کے جواب میں اختیار کیا۔ فرمایا کہ ان میں تین قسم کے لوگ ہیں۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جو اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے ہیں یعنی اپنا ایڑی چوٹی کا زور اس کی مخالفت میں صرف کر رہے ہیں۔ نہ خود اس کو قبول کرنے کے لیے تیار ہیں نہ کسی دوسرے ہی کو قبول کرنے دینا چاہتے ہیں۔ سورۂ نساء کی مذکورہ بالا آیت میں اسی گروہ کا ذکر 'وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ' کے الفاظ سے ہوا ہے یعنی خود بھی اس سے اعراض کیے ہوئے ہیں اور دوسروں کو بھی اس سے روکنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ امر واضح رہے کہ لفظ 'صدّ' رکنے اور روکنے دونوں معنوں میں آتا ہے۔

پہلا گروہ

اسی گروہ کو یہاں 'ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ' کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ یعنی یہ اپنی اس مخالفت سے اپنی ہی جانوں پر ظلم ڈھا رہے ہیں کہ اپنے لیے خدا کے سب سے بڑے فضل سے محرومی اور جہنم کے عذاب کا سامان کر رہے ہیں ورنہ جہاں تک خدا کے دین کا تعلق ہے اس کو ان کی مخالفت سے کوئی گزند پہنچنے والا نہیں ہے۔ لفظ 'ظلم' سے قرآن مجید میں بالعموم شرک کو تعبیر کیا گیا ہے۔ سورۂ صافات میں ہے:

'وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ (۱۱۳)' (اور ان دونوں (ابراہیم و اسحاق) کی ذریت میں نیکوکار بھی ہیں اور اپنی جانوں پر کھلا ہوا ظلم ڈھانے والے بھی) مفسرین نے عام طور پر 'الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا' سے امتِ مسلمہ کو مراد لیا ہے اور پھر اس سے یہ نتیجہ بھی، معلوم نہیں، کس طرح نکال لیا ہے کہ یہ ظالمین بھی بخش دیے جائیں گے۔ ہم نے آیت کا صحیح موقع و محل معین کر دیا ہے اس وجہ سے اس خیال کی تردید کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ ہماری تائید میں حضرت ابن عباسؓ اور مجاہد سے روایات بھی ہیں۔ اگر ضرورت ہو تو تفسیر ابن کثیر یا تفسیر ابن جریر میں دیکھ لیجیے۔ ان بزرگ مفسرین نے 'ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ' سے ان لوگوں کو مراد لیا ہے جن کا ذکر سورۂ واقعہ میں 'اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ' سے ہوا ہے۔

دوسرا گروہ

'وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ'۔ یہ دوسرے گروہ کا ذکر ہے۔ 'مقتصد' میانہ رو کو کہتے ہیں۔ یعنی یہ لوگ مخالفت تو نہیں کرتے ہیں لیکن آگے بڑھ کر اس دعوتِ حق کی حمایت کا حوصلہ بھی نہیں کر رہے ہیں۔ ان کا مخالفت نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کو اس دعوت کے حق ہونے کا احساس ہے لیکن

یہ احساس اتنا قوی نہیں ہے کہ وہ تمام پیش و عقب سے بالکل بے پروا ہو کر اس کی حمایت کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ قرآن نے ان کے لیے یہ لفظ استعمال کر کے فی الجملہ ان کے متعلق یہ امید دلائی ہے کہ یہ لوگ پہلے گروہ (ظَالِمٌ لِنَفْسِهٖ) کی طرح اس نعمت سے محروم رہنے والے نہیں ہیں بلکہ دیر سویر ان کا تردد رفع ہو جائے گا اور اللہ نے چاہا تو یہ اس دعوت کے پُرزور حامیوں میں بن جائیں گے۔

تیسرا گروہ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ: یہ تیسرے گروہ کا ذکر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اندر حق کا شعور اتنا قوی ہوتا ہے کہ ہر دعوتِ حق ان کو فوراً اپیل کرتی ہے اور ان کی قوتِ ارادی اتنی مضبوط ہوتی ہے کہ جب ان کو کوئی چیز اپیل کر لیتی ہے تو وہ اس کی خاطر راہ کے تمام عقبات ایک ہی جست میں پار کر جاتے ہیں اور اس کی حمایت یا مدافعت میں کسی بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتے بلکہ تمام رکاوٹوں کا پوری دلیری سے مقابلہ کرتے ہوئے نیکی اور بھلائی کے ہر میدان میں گوئے سبقت لے جانے کے لیے سردھڑ کی بازی لگا دیتے ہیں۔ یہ اشارہ اسلام کے سابقون اوّلون کی طرف ہے جن کے سرخیل سیدنا ابوبکر صدیقؓ تھے۔

اس گروہ کی سبقت بالخیر کے ساتھ 'بِاِذْنِ اللّٰهِ' کی قید اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ اس رتبۂ بلند کی سرفرازی ہر ایک کا حصہ نہیں ہے بلکہ اللہ ہی جس کو چاہے یہ رتبہ بخشتا ہے۔ یہ اس سنتِ الٰہی کا حوالہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں تقدم اور تاخر کے لیے مقرر کر رکھی ہے اور جس کی طرف اس کتاب میں ایک سے زیادہ مقامات میں ہم اشارہ کر چکے ہیں۔

'ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ'۔ یہ اس مرتبۂ بلند کا بیان ہے جو ان سابقون بالخیرات کو حاصل ہو گا۔ اور اس میں نہایت بلیغ انداز میں 'مقتصدین' کے لیے دعوت بھی ہے کہ ابھی موقع ہے کہ وہ بھی اس فضلِ کبیر میں حصہ دار بننے کے لیے قسمت آزمائی کر سکتے ہیں تو وہ تذبذب کو چھوڑیں اور ہمت کر کے آگے بڑھیں۔ یہاں ہم ان اشارات پر کفایت کرتے ہیں۔ ان شاء اللہ سورۂ واقعہ کی تفسیر میں اس کے تمام اطراف زیرِ بحث آئیں گے۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ (۳۳)

آخرت کا صلہ یہ آخرت میں ان جانبازوں کا صلہ بیان ہوا ہے کہ ان کے لیے اقامت کے باغ ہوں گے جن میں وہ داخل ہوں گے۔ یعنی ان باغوں میں ان کا داخل ہونا محض وقتی سیر و تفریح کے لیے نہیں ہو گا بلکہ ہمیشہ کے لیے ہو گا۔ 'يُحَلَّوْنَ' مجہول کا صیغہ تشریف و تکریم پر دلیل ہے۔ سونے کے کنگن، موتی اور ریشم وغیرہ کا ذکر تقریبِ فہم کے لیے ہے کہ جنت کی نعمتوں کا مخاطب کچھ تصور کر سکے۔ ان چیزوں کی اصل حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ ان کا صحیح اندازہ اسی وقت ہو گا جب یہ آخرت میں سامنے آئیں گی۔

پہلے زمانہ میں سلاطین سونے کے کنگن اور موتی پہنتے تھے، اس وجہ سے جنت کے لباس کا تصور دینے کے لیے یہ تعبیر اختیار کی گئی ہے۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۖ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ ۝ الَّذِي أَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهِ لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ (۳۴-۳۵)

اہلِ جنت کے احساسات اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے ظہور کے بعد

یعنی اہلِ جنت جب اللہ تعالیٰ کے تمام وعدوں کی صداقت اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو بے ساختہ ان کی زبانوں پر کلمۂ شکر جاری ہو جائے گا کہ الحمدللہ ہم اپنے رب کے جن وعدوں کے لیے جیے اور مرے وہ سب ہماری امیدوں سے کہیں بڑھ کر پورے ہوئے۔ اس نے ہمارے سارے غم دور کر دیے۔ اب نہ ماضی کا کوئی پچھتاوا باقی رہا نہ مستقبل کا کوئی اندیشہ۔ ہمارا رب غفور و شکور ہے۔ اس نے ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرمایا اور ہماری ایک ایک نیکی کو شرفِ قبول بخشا۔ اہلِ جنت کے اسی کلمۂ شکر کا ذکر دوسرے مقام میں یوں ہوا ہے۔ 'وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ' (یونس: ۱۰) (اور ان کا آخری کلمہ یہ ہو گا کہ شکر ہے اللہ رب العالمین کے لیے)۔

'دَارَ الْمُقَامَةِ' سے مراد ہمیشہ کی اقامت کا گھر ہے یعنی اس سے پہلے تو ہم دنیا میں ایک سرائے فانی میں تھے اور ہم نے اس کو ایک سرائے فانی ہی سمجھا۔ اب ہمارے رب نے ہم کو اپنے فضل و رحمت کے ایک ایسے گھر میں اتارا ہے جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ اس میں نہ ہمارے لیے کوئی محنت و مشقت ہے اور نہ کوئی تکان اور افسردگی۔ یہ امر واضح رہے کہ بہتر سے بہتر عیش بھی حاصل ہو تو آدمی اس کے اندر بھی افسردہ ہو جاتا ہے اگر اس کی خواہش کے مطابق اس میں تجدد و تنوع نہ ہوتا رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی جنت ایسی بنائی ہے کہ اس میں ایسا بے غل و غش اور متنوع عیش حاصل ہو گا کہ اہلِ جنت اس کے اندر اکتاہٹ نہیں محسوس کریں گے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَفُورٍ ۝ وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ۚ أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ ۖ فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ (۳۶-۳۷)

کفار کے انجام کا بیان

یہ کفار کے انجام کا بیان ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ جہنم میں ڈالے گا جہاں ان کا حال یہ ہو گا کہ نہ ان کو موت ہی آئے گی کہ مر کے اس عذاب سے رہائی پائیں، نہ ان کے عذاب میں تخفیف ہی کی جائے گی کہ ذرا دم لے لیں۔ 'مِنْ عَذَابِهَا' کے بعد 'فَيَسْتَرِيحُوا' یا اس کے ہم معنی کوئی لفظ بربنائے قرینہ محذوف ہے۔

'كَذَٰلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَفُورٍ' یعنی یہ جو کچھ ہم سنا رہے ہیں، یہ صرف دوسروں ہی کی سرگزشت نہیں ہے بلکہ ہر ناشکرے نابکار کو ہم اسی طرح سزا دیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ بھی اسی سزا کے مستحق

ٹھہریں گے جو آج ہماری کتاب اور ہمارے رسول کی تکذیب کر رہے ہیں۔ اس فقرے سے کلام بالکل مطابق حال ہو گیا ہے۔

وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا الآية- وہ اسی جہنم میں پڑے فریاد کریں گے کہ اے رب، ہم کو یہاں سے ایک بار رہائی دے کہ ہم دنیا میں جا کر نیک عمل، اس سے بالکل مختلف، کریں جو ہم اب تک کرتے رہے ہیں۔

أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ- یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو جواب ملے گا کہ کیا تمھیں اتنی مہلت نہیں ملی جس میں ایک یاددہانی حاصل کرنے والا یاددہانی حاصل کر سکے؛ علاوہ ازیں تمھارے پاس ایک آگاہ کر دینے والا رسول بھی آیا! تو اب کس بات کے لیے مہلت مانگتے ہو! اب تمھارا کوئی مددگار نہیں بن سکتا، اب تو جس عذاب کے اسباب تم نے فراہم کیے اس کا مزہ چکھو۔

اس آیت سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے عمر بھی کافی دی اور ان پر کسی منذر کے ذریعے سے حجت بھی تمام کر دی گئی ان کے ساتھ تو کسی قسم کی رعایت نہیں ہوگی لیکن جو لوگ سن و سال کی پختگی کو پہنچنے سے پہلے ہی مر گئے یا قتل ہو گئے ان کے ساتھ معاملہ نسبتًہ ذرا نرم ہوگا۔

إِنَّ اللَّهَ عَالِمُ غَيْبِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ (۳۸)

اس سے دو باتیں واضح فرمائی گئی ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے تمام بھیدوں کو جاننے والا ہے اس وجہ سے کوئی ان باتوں کو محض ڈراوا نہ سمجھے بلکہ یہ حقائق ہیں جو ایک دن سب کے سامنے ظاہر ہو کے رہیں گے۔

دوسری یہ کہ جو لوگ یہ فریاد کریں گے کہ اگر ان کو دوبارہ مہلت ملے تو وہ نیکی کریں گے، خدا ان کے جھوٹ کو بھی جانتا ہے ــــ اس طرح کے لوگوں کو اگر پھر مہلت دی جائے تو وہ وہی کریں گے جو اب تک کرتے رہے ہیں۔

۸- آگے کا مضمون۔ آیات ۳۹-۴۵

آگے کی آیات ہیں مشرکین عرب کو دھمکی ہے کہ تم اس ملک میں پہلی قوم نہیں ہو بلکہ پچھلی قوموں کے جانشین ہو تو ان کے حالات اور انجام سے سبق لو۔ اگر وہ قوت و شوکت میں تم سے بڑھ کر ہونے کے باوجود، رسولوں کی تکذیب کے جرم میں تباہ کر دی گئیں تو اسی جرم کا ارتکاب کر کے خدا کے قہر و غضب سے تم کس طرح بچ جاؤ گے؟ خدا کا قانون تو ہر قوم کے لیے ایک ہی ہے، اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ یاد رکھو کہ آسمان و زمین تمھارے ان معبودوں کے تھامے نہیں تھمے ہوئے ہیں بلکہ خدا ہی کے تھامے تھمے ہیں۔ اگر خدا ان کو درہم برہم کر دے تو کوئی دوسرا ان کو نہیں سنبھال سکتا۔ تمھاری سرکشی کے باوجود اگر خدا نے تمھیں ڈھیل دے

رکھی ہے تو اس سے کسی غلط فہمی میں نہ رہو، خدا پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا لیکن جب پکڑتا ہے تو کوئی اس سے بھاگ نہیں سکتا۔

اسی ضمن میں یہ یاد دہانی بھی کی گئی ہے کہ اس سے پہلے تو یہ قسمیں کھا کھا کے یہ وعدے کرتے تھے کہ اگر ان کے اندر کسی رسول کی بعثت ہوئی تو یہ دنیا کی سب سے زیادہ ہدایت یافتہ قوم بنیں گے لیکن جب رسول آیا تو محض استکبار کے سبب سے اس کی مخالفت اور رات دن اس کے خلاف سازشوں میں سرگرم ہیں حالانکہ حق کے خلاف جو سازشیں کی جاتی ہیں ان کے پھندوں میں وہی لوگ پھنستے ہیں جو سازشوں کے جال بُنتے ہیں۔

غور کیجیے تو اس پیرے میں، جس کو خاتمۂ سورہ کی حیثیت حاصل ہے، فواصل یعنی قوافی بدل گئے ہیں۔ قوافی کی یہ اچانک تبدیلی متکلم کے لب و لہجہ کی تبدیلی کی دلیل ہوتی ہے اور اس تبدیلی سے مقصود مخاطب کو ایک نئے پہلو سے متوجہ کرنا ہوتا ہے ـــــ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۳۹-۴۵ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۭ وَلَا
يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ
كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ﴿۳۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَاۗءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ
فِي السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰي بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ
يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۴۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ڬ وَلَىِٕنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ
اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۱﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ
جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَىِٕنْ جَاۗءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى
الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَۨا ﴿۴۲﴾ اسْتِكْبَارًا
فِي الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۭ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ۭ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ
اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ڬ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ

اللّٰهِ تَحْوِيلًا ۝٤٣ أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَكَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۚ وَمَا كَانَ
اللّٰهُ لِيُعْجِزَهُ مِن شَيْءٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ كَانَ
عَلِيمًا قَدِيرًا ۝٤٤ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ
عَلَىٰ ظَهْرِهَا مِن دَابَّةٍ وَلَٰكِن يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ فَإِذَا
ع ۵ / ۱۷ جَاءَ أَجَلُهُمْ فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا ۝٤٥

ترجمۂ آیات ۳۹-۴۵

وہی ہے جس نے تم کو زمین میں جانشین بنایا تو جو کفر کرے گا اس کے کفر کا وبال اسی پر آئے گا اور کافروں کے لیے ان کا کفر، ان کے رب کے نزدیک، اس کے غضب کی زیادتی ہی کا موجب ہوگا اور کافروں کے لیے ان کا کفران کے خسارے ہی میں اضافہ کرے گا۔ ۳۹

کہو، ذرا تم دیکھو تو اپنے ان شریکوں کو جن کو تم خدا کے سوا پکارتے ہو! مجھے دکھاؤ، انھوں نے زمین میں سے کیا پیدا کیا ہے! کیا ان کی آسمانوں میں کوئی حصہ داری ہے؟ آیا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے تو وہ اس کی کسی واضح دلیل پر ہیں! بلکہ یہ ظالم ایک دوسرے سے محض پُرفریب وعدے کر رہے ہیں۔ ۴۰

اللہ ہی ہے جو آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ ٹل نہ جائیں۔ اور اگر وہ ٹل جائیں تو اس کے بعد کوئی اور ان کو تھامنے والا نہیں بن سکتا۔ بے شک وہ نہایت حلیم و غفور ہے۔ ۴۱

اور انھوں نے اللہ کی پکی پکی قسمیں کھائیں کہ اگر ان کے پاس کوئی نذیر آیا تو وہ ہر امت سے زیادہ ہدایت اختیار کرنے والے بنیں گے۔ پس جب ان کے پاس ایک نذیر آیا تو

اس چیز نے، زمین میں ان کے تکبر کے باعث، ان کی بیزاری اور ان کی بری چالوں ہی میں اضافہ کیا۔ اور بری چال تو اسی کو گھیرتی ہے جو بری چال چلتا ہے۔ پس یہ نہیں انتظار کر رہے ہیں مگر اسی سنتِ الٰہی کا جو اگلوں کے باب میں ظاہر ہوئی۔ تو تم سنتِ الٰہی میں نہ کوئی تبدیلی پاؤ گے اور نہ تم سنتِ الٰہی کو ٹلتے ہی ہوئے پاؤ گے۔ کیا انھوں نے زمین میں سفر نہیں کیا کہ دیکھتے کہ کیسا ہو چکا ہے انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرے ہیں حالانکہ وہ قوت میں ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھے۔ اور آسمانوں اور زمین کی کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے کہ وہ اللہ کے قابو سے باہر نکل سکے۔ وہ علم والا اور قدرت رکھنے والا ہے۔ ۴۲-۴۴

اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے اعمال کی پاداش میں فوراً پکڑتا تو زمین کی پشت پر ایک جاندار کو بھی نہ چھوڑتا لیکن وہ ان کو ایک معین مدت تک مہلت دیتا ہے۔ پس جب ان کی مدت پوری ہو جائے گی تو اللہ اپنے بندوں کو خود دیکھنے والا ہے۔ ۴۵

۹۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۭ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا (۳۹)

خدا کا عدل ہر قوم کے لیے یکساں ہے

یہ قریش کو تنبیہ ہے کہ اس سرزمین میں آج جو اقتدار تم کو حاصل ہے یہ نہ تمہارا اپنا پیدا کردہ ہے اور نہ تم اس ملک میں پہلی بار برسرِ اقتدار آئے ہو بلکہ تم سے پہلے بھی قومیں گزر چکی ہیں جن کو خدا نے ان کے کفر و استکبار کی پاداش میں ہلاک کر دیا اور ان کی جگہ تم کو تمکن کیا تو اگر وہی روش تم نے اختیار کی تو اسی انجام سے دوچار ہونے کے لیے بھی تیار رہو جو ان کے سامنے آیا۔ خدا نے قوموں کے عزل و نصب کے لیے جو میزانِ عدل قائم کر رکھی ہے اس کا فیصلہ ہر قوم کے لیے بالکل بے لاگ ہے۔ جن قوموں کی سرگزشتیں تم کو سنائی گئی ہیں وہی تاریخ تم بھی دہراؤ گے اگر انہی کے نقشِ قدم پر چلو گے۔ یہ مضمون انعام آیت ۱۹۵ اور اعراف آیت ۱۰۰ کے تحت بھی تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔

کفر کا نقصان کفر کرنے والوں ہی کو ہے

'فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ الآية' یعنی یہ بھی یاد رکھو کہ کسی کے کفر سے خدا کا کچھ نہیں بگڑتا بلکہ اس کا خمیازہ خود کفر کرنے والے ہی کو بھگتنا پڑتا ہے۔ خدا کسی کا محتاج نہیں ہے بلکہ لوگ ہی اس کے محتاج ہیں۔ اگر وہ کفر کریں گے تو اس سے خدا کا کچھ بگاڑنے کے بجائے اس کے غضب میں اضافہ کریں گے اور یہ چیز دنیا اور آخرت میں انہی کی تباہی کا موجب ہوگی۔

قُلْ أَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَاوَاتِ أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا فَهُمْ عَلَىٰ بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ إِن يَعِدُ الظَّالِمُونَ بَعْضُهُم بَعْضًا إِلَّا غُرُورًا (٤٠)

شرکاء کی بے حقیقتی

یہ ان کے شرکاء کی بے حقیقتی کی طرف توجہ دلائی کہ کیا ان کے بل پر خدا کی پکڑ سے نچنت بیٹھے ہو! ذرا ان کو دیکھو تو بھلا ان کی کیا حقیقت ہے! 'أَرَءَيْتُمْ' اس طرح کے مواقع میں اظہار تعجب اور تحقیر کے لیے آتا ہے۔ فرمایا کہ اگر زمین میں سے کوئی چیز انھوں نے پیدا کی ہو تو وہ مجھے دکھاؤ۔ یا آسمانوں میں ان کی کوئی حصہ داری ہو تو وہ مجھے بتاؤ۔

'أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا الآية'۔ اس ٹکڑے میں اسلوب کلام بدل کر حاضر کے بجائے غائب کا ہو گیا ہے جس سے تعجب اور اظہار بیزاری کے مضمون میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ فرمایا کہ جب آسمانوں اور زمین میں کسی نوعیت سے ان کی کوئی حصہ داری ثابت نہیں تو آخر کس دلیل کی بنا پر ان کو خدا کی خدائی میں انھوں نے شریک بنایا ہے؟ کیا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے جس میں ہم نے تسلیم کیا ہو کہ فلاں اور فلاں ہماری خدائی میں شریک ہیں اور انھوں نے اس کی سند پر ان کو ہمارا شریک بنایا ہے!

لیڈروں کا فریب عوام کے ساتھ

'بَلْ إِن يَعِدُ الظَّالِمُونَ بَعْضُهُم بَعْضًا إِلَّا غُرُورًا'۔ یعنی ان باتوں میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے۔ نہ ان کے پاس کوئی دلیل ہے نہ کوئی سند۔ بلکہ یہ اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے لوگ بس یوں ہی بے دلیل و سند ایک دوسرے کو سبز باغ دکھا رہے ہیں کہ ان کے فلاں بت کے قبضہ میں یہ یہ اختیارات ہیں اور فلاں کی عبادت سے یہ برکات حاصل ہوتی ہیں۔ ان کی یہ ساری باتیں محض فریب ہیں جس میں ان کے لیڈر ان کو مبتلا کیے ہوئے ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ أَن تَزُولَا ۚ وَلَئِن زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِّن بَعْدِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا (٤١)

یعنی اگر یہ اس غلط فہمی میں ہیں کہ جس عذاب سے ان کو ڈرایا جا رہا ہے اس سے ان کے مزعومہ دیوی دیوتا بچا لیں گے یا بچائے ہوئے ہیں تو انھیں یاد رکھنا چاہیے کہ آسمانوں اور زمین کو ان کے محور و مدار پر خدا ہی ٹکائے ہوئے ہے۔ اگر وہ ذرا ان کی باگ ڈھیلی چھوڑ دے تو پھر کسی کی طاقت نہیں ہے کہ ان کو تھام سکے۔ پھر چشم زدن میں سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۔ یعنی لوگوں کی سرکشی اور استکبار کے باوجود خدا لوگوں کو جو ڈھیل دیتا ہے تو اس وجہ سے دیتا ہے کہ وہ حلیم و غفور ہے۔ وہ قہر کرنے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ لوگوں کے جرائم کے باوجود ان سے درگزر کرتا اور ان کو مہلت دیتا ہے۔ تاکہ جو شخص بھی اپنی اصلاح کرنی چاہے وہ کرلے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا (۴۲)

اہل عرب کے اندر ایک رسول کی بعثت کی روایت

اہلِ عرب چونکہ امّی یعنی کتاب و شریعت سے ناآشنا تھے اس وجہ سے اہل کتاب بالخصوص یہود ان کو حقیر خیال کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے علماء نے یہ فتویٰ دے رکھا تھا کہ ان امیوں کی امانت ہڑپ کر جانے اور ان سے سود لینے میں ان کے لیے کوئی قباحت نہیں ہے۔ آیت لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ کے تحت ہم ان خانہ زاد فتووں کا حوالہ دے چکے ہیں۔ مشرکین جب یہود کی اس طرح کی باتیں سنتے تو فطری طور پر ان کے اندر ایک قسم کا احساس کہتری پیدا ہوتا اور وہ ان کے جواب میں قسمیں کھا کے، بڑے طنطنہ کے ساتھ، یہ کہتے کہ اگر ہمارے اندر کسی رسول کی بعثت ہوئی تو ہم دوسری تمام قوموں سے زیادہ ہدایت یافتہ قوم بن کے دکھا دیں گے۔

یہ امر یہاں واضح رہے کہ سابق صحیفوں میں آخری رسول کی بعثت سے متعلق جو پیشین گوئیاں وارد ہیں ان میں، جیسا کہ تفسیر سورۂ اعراف میں ہم واضح کر چکے ہیں، نہایت صریح الفاظ میں یہ بات موجود ہے کہ اس رسول کی بعثت بنی اسماعیل (امیوں) میں ہوگی۔ علمائے یہود اگرچہ یہ بات چھپاتے تھے لیکن ان کے اندر ایسے علماء بھی تھے، خاص طور پر نصاریٰ میں، جو امیوں کے اندر ایک رسول کی بعثت کے منتظر تھے۔ چنانچہ قرآن نے آیت وَاِذَا سَمِعُوْا الاٰیۃ (مائدۃ: ۸۳) میں اس کا نہایت شاندار الفاظ میں حوالہ دیا ہے۔ اس قسم کے علماء کے ذریعہ سے بنی اسماعیل کے اندر بھی یہ روایت موجود تھی کہ ان کے اندر ایک رسول کی بعثت ہونے والی ہے اور وہ یہود کے مقابل میں اس کا اظہار بھی کرتے رہتے تھے کہ اگر ہمارے اندر کسی رسول کی بعثت ہوئی تو ہم تمہاری طرح کمزور اور بودے ثابت نہیں ہوں گے بلکہ ہدایت قبول کرنے کے معاملے میں سب پر بازی لے جائیں گے۔ ان کی اسی بات کی یاد دہانی کرتے ہوئے قرآن نے ان کے حال پر اظہار افسوس کیا ہے کہ پہلے تو بہت بڑھ چڑھ کر آنے والے رسول کی حمایت و نصرت کے دعوے کرتے رہے لیکن جب وہ آیا تو ان کی ہدایت میں اضافہ ہونے کے بجائے ان کی نفرت و بیزاری میں اضافہ ہوا۔ ان کے اس رویے کا ذکر سورۂ صافات میں بھی ہوا ہے۔ فرمایا ہے۔

وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ۙ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۙ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۔ (الصّٰفّٰت: ۱۶۷ - ۱۷۰)

اور بے شک یہ لوگ کہتے رہے ہیں کہ اگر ہمارے پاس اگلوں کی کوئی یاد دہانی ہوتی تو ہم خدا کے مخصوص بندوں میں سے ہوتے تو انھوں نے اس کا انکار کر دیا تو وہ جلد جان لیں گے۔

اِسۡتِكۡبَارًا فِى الۡاَرۡضِ وَمَكۡرَ السَّيِّیِٴ ؕ وَلَا يَحِيۡقُ الۡمَكۡرُ السَّيِّـئُ اِلَّا بِاَهۡلِهٖ ؕ فَهَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا سُنَّتَ الۡاَوَّلِيۡنَ ۚ فَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبۡدِيۡلًا ۚ وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحۡوِيۡلًا ﴿۴۳﴾

استکبار سے باعث رسول کی تکذیب

یہ رسول سے ان کی بیزاری کا سبب بیان ہوا ہے کہ اس کا سبب صرف استکبار ہے۔ حق ان پر اچھی طرح واضح ہے لیکن ملک میں جو قیادت و سیادت ان کو حاصل ہے اس کو یہ کسی قیمت پر قربان کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں اس وجہ سے اس صریح حق کی مخالفت کر رہے ہیں۔ ان کو یہ اندیشہ ہے کہ اگر انھوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت تسلیم کر لی تو ان کی سیادت ختم ہو جائے گی۔

'وَمَكۡرَ السَّيِّیِٴ' کا عطف 'نُفُوۡرًا' پر ہے۔ یعنی جس رسول کی ہدایت کے علمبردار بننے کے مدعی تھے جب وہ آیا تو اس کے دشمن بن کے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کو زک پہنچانے کے لیے اس کے خلاف مکروہ سازشوں میں سرگرم ہو گئے۔ لفظ 'مکر' چونکہ اچھے معنوں میں بھی آتا ہے اس وجہ سے اس کے ساتھ 'سَیِّیِٴ' کی قید لگا کر ان کے مکر کی نوعیت واضح فرما دی۔ پیچھے آیت ۱۰ میں بھی ان کی بری سازشوں اور اس کے انجام کا ذکر گزر چکا ہے۔

بری سازش کرنے والا خود اپنے کو تباہ کرتا ہے

'وَلَا يَحِيۡقُ الۡمَكۡرُ السَّيِّـئُ اِلَّا بِاَهۡلِهٖ'۔ حق کے خلاف جو شخص سازش کرتا ہے وہ درحقیقت خود اپنے خلاف سازش کرتا ہے۔ بظاہر تو وہ یہ جال دوسرے کے لیے بُنتا ہے لیکن اس جال میں سب سے پہلے وہ خود پھنستا ہے۔ صحیح راہ بتانے والے کی مخالفت کرنا خود اپنی راہ گم اور اپنی عاقبت برباد کرنا ہے۔ دوسروں کو اس سازش سے کوئی ضرر اللہ کے اذن کے بغیر وہ نہیں پہنچا سکتا لیکن اپنے کو وہ بہرحال ہلاکت کے حوالہ کر دیتا ہے۔

حق کے خلاف سازش کرنے والوں کے لیے سنتِ الٰہی

'فَهَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا سُنَّتَ الۡاَوَّلِيۡنَ'۔ 'يَنۡظُرُوۡنَ' یہاں انتظار کرنے کے معنی میں ہے اور 'سُنَّتَ الۡاَوَّلِيۡنَ' کے اندر عربیت کے معروف قاعدے کے مطابق کچھ الفاظ حذف ہیں۔ ان کو کھول دیجیے تو پوری بات یوں ہو گی — فَهَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا سُنَّتَ اللّٰهِ فِى الۡاَوَّلِيۡنَ۔ یعنی اگر یہ لوگ اپنے تکبر اور حق بیزاری کے باعث اب مخالفت اور سازش ہی کے درپے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اب یہ منتظر ہیں کہ ان سے پہلے جو قومیں گزری ہیں، اللہ کی جو سنت ان کے لیے ظاہر ہوئی وہ ان کے لیے بھی ظاہر ہو جائے اور جس طرح رسولوں کی تکذیب کے جرم میں وہ تباہ کر دی گئیں اسی طرح یہ بھی تباہ کر دیے جائیں۔

سنتِ الٰہی نہ بدلتی نہ ٹلتی ہے

'فَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبۡدِيۡلًا ۚ وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحۡوِيۡلًا'۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت پُر زور الفاظ میں تسلی دی گئی ہے کہ اگر یہ لوگ اسی کے منتظر ہیں تو اطمینان رکھو کہ سنتِ الٰہی نہ بدلتی ہے، نہ ٹلتی ہے۔ 'نہ بدلنے' کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ہر قوم کے لیے بالکل یکساں اور بے لاگ ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ جو رویہ ایک قوم کے لیے باعثِ ہلاکت ہو چکا ہے وہی رویہ دوسری قوم اختیار کرے تو وہ اس انجام سے بچ جائے۔ 'نہ ٹلنے' کا مفہوم یہ ہے کہ جب اس کے ظہور کا وقت آ جائے گا تو وہ لازماً ظہور میں آ کے رہے گی۔ پھر اس کو ٹال لینا یا اس کے رُخ کو بدلنا کسی کے بس میں بھی نہیں ہو گا۔

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَكَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِن شَيْءٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا (۴۴)

ملک کے آثار سے عبرت حاصل کرنے کی دعوت

اللہ کی جو سنت پچھلی قوموں کے معاملے میں ظاہر ہوئی اور جس کے آثار خود ملکِ عرب میں موجود تھے یہ ان کی طرف توجہ دلائی کہ کیا ان لوگوں نے اپنے ملک کی سیاحت کبھی اس مقصد سے نہیں کی کہ اپنی ان پیشرو قوموں کے آثار و نشانات دیکھتے جو قوت و شوکت میں ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھیں لیکن رسولوں کی تکذیب کی پاداش میں ان کا انجام نہایت عبرت انگیز ہوا!۔

'اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا' کے اسلوب سے یہ بات نکلتی ہے کہ اس کی سیاحت تو انھوں نے بہت کی ہے۔ اپنے تجارتی سفروں میں برابر معذب قوموں کی بستیوں پر سے گزرتے رہے ہیں لیکن کبھی خاص اس مقصد سے انھوں نے ان کے آثار پر نظر نہیں ڈالی کہ وہ اس کیفرِ کردار کو کیوں پہنچیں، حالانکہ دیکھنے اور فائدہ اٹھانے کی اصل چیز یہی ہے۔ اب بھی موقع باقی ہے کہ اس نگاہ سے ان کے آثار دیکھیں اور ان کے انجام سے سبق حاصل کریں۔ قوت و شوکت میں قریش ان کے پاسنگ نہیں ہیں، لیکن خدا نے جب ان کو پکڑا تو وہ اس کی گرفت سے باہر نہ نکل سکیں۔ آسمانوں اور زمین میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو خدا کی گرفت سے باہر نکل سکے۔ خدا کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے، کوئی چیز اس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہے۔ ساتھ ہی وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے، کوئی کام اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو اپنے علم اور اپنی قدرت، دونوں میں کامل ہے کوئی اس سے بھاگ کے کہاں جا سکتا ہے؟

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَىٰ ظَهْرِهَا مِن دَابَّةٍ وَلَٰكِن يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا (۴۵)

سنتِ الٰہی کا ایک اور پہلو

یہ اسی سنتِ الٰہی کے ایک دوسرے پہلو کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ ان لوگوں کی پکڑ تو لازماً ہوگی لیکن اللہ تعالیٰ مجرمین کو ان کے اعمال کی پاداش میں فوراً نہیں پکڑا کرتا۔ اگر وہ ایسا کرنا چاہے تو کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا، وہ چشم زدن میں روئے زمین سے ہر زندہ کو ختم کر دے، لیکن وہ حلیم و غفور ہے اس وجہ سے ایک معین مدت تک لوگوں کو مہلت دیتا ہے تاکہ جس کو توفیق ہو وہ توبہ اور اصلاح کر لے اور جو اپنی ضد ہی پر مرنا چاہے اس پر اللہ کی حجت پوری ہو جائے۔ جب ان کی معین مدتِ مہلت پوری ہو جائے گی تو پھر اللہ ان کو دیکھے گا کہ وہ کس پاداش کے مستحق ہیں۔

'بِمَا کَسَبُوْا' کے بعد 'علیٰ عجل' یا اس کے ہم معنی الفاظ محذوف ہیں۔ 'وَلٰکِنْ یُّؤَخِّرُھُمْ' کے الفاظ سے اس کی وضاحت ہو گئی ہے۔

بتوفیقِ ایزدی ان سطور پر اس سورہ کی تفسیر تمام ہوئی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ۔

رحمان آباد

۴ر فروری ۱۹۷۵ء